

NEVIL SHUTE

AN OLD CAPTIVITY



ماضی کے قیدی

مہم جوئی کی ایک ایسی سمنسی خیز داستان جو گرین لینڈ کے پرخطر جزیروں میں جنم لیتی اور ناقابل یقین واقعات تخلیق کرتی ہے۔ نیول شوٹ کے شہرہ آفاق ناول 'دی اولڈ کیپٹو بیٹی' کی تلخیص

ڈانلڈ راس کے ماں باپ بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اُس کا باپ اسکاچ تھا اور ماں آئرش۔ گویا دونوں طرف سے اُس کی رگوں میں لٹھی نسل کا خون رواں دواں تھا۔ اُس کی پرورش بچوں ہی نے کی تھی جو گلفورڈ کے کسی اسکول میں مستی تھی۔ انیس برس کا تھا کہ وہ رائل ایئر فورس میں پائلٹ بھرتی ہوا اور ۱۹۲۹ء میں فلائنگ افسر کی حیثیت سے جانی ہی میں غارت گردیا گیا۔ چار سال تک وہ کینیڈا کی ایک جہازی کمپنی میں ملازم رہا۔ اس کمپنی کا

دیوالیہ نکلا تو بے کار ہو گیا۔ ۱۹۳۳ء میں وہ گلفورڈ واپس آیا۔ اُس کے پاس چند بکڑوں کے علاوہ سترو پونڈ اور چھ شنگ تھے۔ ابدی شمالی علاقوں کی ٹھنڈی ہوا میں جہاز اڑانے کا تجربہ اس پر مستزاد تھا۔ اُس کی چھوٹی بھی اُن دنوں بے کاظمی، چنا پڑا راس کو نوکری کی تلاش میں لندن آتا پڑا۔ وہاں کسی اخبار میں اُس نے ایک اشتہار پڑھا جس میں تھا تھا کہ سینٹ پالز کاچ آکسفورڈ کے ایک ڈان لاک وڈ کو گرین لینڈ کی ٹیم کے لیے ایک پائلٹ



دور کا رہے۔ ڈانلڈ راس فوراً آکسفورڈ پہنچا۔ لاک وڈ سے اُس کے شاندار گھڑیں، ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ علم آثار قدیمہ کا پروفیسر ہے اور گرین لینڈ کے علاقے براتلڈ میں ایک جگہ کھدائی کرنا چاہتا ہے۔ اُس کھدائی سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ گرین لینڈ کو ماروے کے جہاز رانوں نے دریافت نہیں کیا تھا، بلکہ اُن لینڈ کے کئی نسل کے لوگ اُن سے پہلے وہاں پہنچ کر آبادیاں بسا چکے تھے۔ کھدائی سے پہلے اُس علاقے کا جہازی سفرے لازمی تھا۔ اُس کے بڑے بھائی ڈیوڈ لاک وڈ نے، جو

کوئٹری کے قصبے کی ایک اسٹیل مل کا مالک تھا، اس مہم کے تمام اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ رات کے کھانے پر لاک وڈ نے اپنی بیٹی ایکس کا اُس سے تعارف کرایا۔ وہ درمیانے قد کی لڑکی تھی جس کی آنکھیں بھوری اور سر کے بال گہرے زرد رنگ کے تھے۔ راس کو اُس بچہ لڑکی کا رویہ اُس کے ساتھ کچھ عجیب لگتا تھا۔ صبح کے وقت وہ لان میں ہواخوری کر رہا تھا کہ ایکس نے اُس کے پاس آکر کہا، ”مسٹر راس! میرے والدراستھ کے پیٹھ میں ہیں۔ وہ اس غریب گرین لینڈ کا سفر نہیں کر سکتے۔“

”مس ایکس! اُن کی صحت بے حد اچھی ہے اور انہیں سفر کے دوران جہانی محنت کم ہی کرنا ہوگی۔“ راس نے کہا۔ ”میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔“

”ایک شخص کی زندگی سے زیادہ آپ کو اپنی نوکری عزیز ہے؟“ ایکس نے کہا۔ ”میں ان دنوں بے روزگار ہوں۔ واقعی مجھے نوکری کی اشد ضرورت ہے۔ تاہم آپ اپنے والد کو مشورہ دیجیے گا۔ وہ فہم پر نہ جانا چاہیں تو میں انہیں مجبور بھی تو نہیں کر سکتا۔“ پروفیسر نے ایکس کی مرضی کے خلاف فیصلہ کیا اور ڈانلڈ راس کو تیار کیا۔ ٹیم کے لیے اپنے بھائی کے پاس بھیج دیا جس نے ٹیم کے لیے پچیس ہزار پونڈ وقف کیے ہوئے تھے۔ اُس کے پرسنل سیکرٹری کے ساتھ مل کر ٹیم کی تفصیلات طے ہوئیں۔ فیصلہ ہوا کہ امریکہ کی ایک مشہور ڈیم سے ایک ایسا

جہازی جہاز تین ہفتوں کے اندر اندر بنوایا جائے جو خشکی اور سمندر دونوں پر اتر سکے۔ جب ڈانلڈ راس نے سر ڈیوڈ لاک کو بتایا کہ ایکس اس ٹیم کے خلاف ہے تو اُس نے کہا، ”اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اُسے بھی شریک کر لو۔“

”نہیں سر! یہ ناممکن ہے۔“ ڈانلڈ راس نے کہا۔ ”جہاز میں آنا سامان لانا ہو گا کہ اُس میں دوسرے مسافر کی گنجائش ممکن ہی نہیں سکتی۔ پُل بھی اس ایکس میرے لیے دوسرے بن جائیں گی۔“

”مسٹر راس! اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بھائی اس تحقیق سے غافلان کا نام روشن کرے۔ یہ لڑکی اُس کی اگلی اولاد ہے اور اپنے باپ کو اس ٹیم سے روک بھی سکتی ہے۔“ سر ڈیوڈ نے کہا۔ ڈانلڈ راس مجبوراً اس ایکس کو شریک سفر بنانے پر راضی ہو گیا۔ تین ہفتے اس قدر معروف گزے کہ راس کو سر کھانے کی بھی فرصت نہ ملی۔ اُس نے فوڈ کو کافی کے لیے مسٹر جیمس کا انتخاب کیا جو انجینئر تھا۔ ڈنمارک کے سفارت خانے سے گرین لینڈ کی اس ٹیم کی سرکاری اجازت حاصل کی، ایک رائل خریدی اور امریکہ کی ایک فرم کو جہازی جہاز تیار کرنے کا آرڈر دیا۔ مسٹر جیمس سمندری جہاز کے ذریعے گرین لینڈ روانہ کر دیے گئے۔ وہ کمرے اپنے ساتھ لے گیا چند ہی روز بعد سمندری جہاز کے ذریعے جہازی جہاز کا ڈھانچہ، انجن اور اُس کے دوسرے حصے انجینئر پہنچ گئے۔ ہاتھ کے مقابلے پر جھگڑے ہوئے گئے۔ اُس کا وزن جھینے سے ایک سو چار پونڈ زیادہ تھا، چنانچہ اُس میں سے فائو سٹیلین نکال دی گئیں۔ دس تین ہار کی اڑانوں کے بعد ڈانلڈ راس جہاز کی اگلی کارکردگی سے مطمئن ہو گیا۔

آکسفورڈ سے پروفیسر لاک وڈ اور ایکس لندن پہنچ گئے تھے۔ یوم میں خوشگوار گرمی تھی۔ ڈانلڈ راس نے انہیں اسٹارٹ کیا۔ جہاز پانی پر تیرنے لگا اور اُس کی رفتار دم بدم تیر ہوتی چلی گئی۔ آخر وہ سمندری سطح سے بلند ہوا اور ہوا میں تیرنے لگا۔ اُس

میں بارہ سو میل کی اڑان کے لیے پٹرول بھرا ہوا تھا۔
 پروفیسر لاک وڈ نے پوچھا: "جہاز پہلا پٹرول کیسے لگا؟"
 "ان ویئر گورڈن جو یہاں سے سات سو پچاس میل کے
 فاصلے پر ہے، اساترے چھ گھنٹے میں ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"
 ڈائمنڈ راس نے کہا۔

اُس وقت صبح کے نو بجے تھے۔ جہاز چار ہزار فٹ کی
 بلندی پر اڑا جا رہا تھا موسم نہایت سازگار تھا۔ جہاز کبھی
 ساحل کے اوپر اڑ رہا تھا اور کبھی پانی پر۔ لاک وڈ کو نیند آ گئی
 تھی۔ ایکس اپنی تنگ اور تکلیف دہ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے آگت
 چلنے لگی تھی۔ جب وہ اسکاٹ لینڈ کے اوپر سے گزر رہے تھے تو
 مطلع اچانک ابراؤڈ ہو گیا اور سردی بڑھ گئی۔ راس کو پندرہ
 سو فٹ کی بلندی تک اڑنا پڑا۔ تین بجے سپر کے قریب وہ
 ان ویئر گورڈن کے اوپر اڑ رہے تھے۔ ڈائمنڈ راس نے فائبرس
 کے ذریعے پہلے ہی یہاں اطلاع بھیج دی تھی کہ بندرگاہ سے
 کچھ دور سمندر میں سُرُخ رنگ کے تیرنے والے پیپے ڈال دیے



Air Prince
FANS
For Quality & Service

○ خوبصورت
○ دیدیا
○ سبک رفتار



ایئر پرنس چھکے

جنرل انجینئر رنگ کارپوریشن
 سال انڈسٹریل اسٹیٹ، جی ٹی روڈ، گجرات

جائیں تاکہ جہاز وہاں اتاراجائے۔
 راس نے کہا۔ "سر! میں جہاز کو سمندر میں ٹانگہ لگائی کرتا
 ہوں۔ سُرُخ رنگ کے پیپے تک کے جانوں کا کیا آپ فلوٹ پر
 کھڑے ہو کر جہاز کو پیپے سے باہر ہٹنے کی ہمت کر سکتے ہیں؟"
 "میں نہیں؟ مجھے پہلے اس کا طریقہ سمجھا دو۔" لاک وڈ
 نے کہا۔

راس نے پورا طریقہ سمجھا دیا۔
 اچانک ایکس بولی: "ڈیڈی! یہ کام میں آپ سے بہتر
 سرانجام دے سکیں گی۔"

راس نے کہا: "ٹھیک ہے، لیکن خیال رکھیے کہ جہاز کے
 فلوٹ پر مضبوطی سے پاؤں جکڑ کر کھڑا ہونا لازمی ہے کیونکہ اس
 پر سے پاؤں پھسل بھی سکتا ہے۔"

راس نے ہوا میں ایک پتھر لگایا اور پھر جہاز کو پانی پر
 اتار دیا اور ساتھ ہی کہا: "س لاک وڈ! اب آپ تیار ہیں؟"
 ایکس اپنی بیڈ سے اٹھی۔ اُس نے کھڑکی کھولی۔ جہاز
 کا فلوٹ پانی میں ڈوبا ہوا تھا یہ صورت حال دیکھ کر اُسے
 غصہ آ گیا۔ یہ کام پائلٹ کا تھا۔ اُسے ہمیں پہلے سے یہ بتانا
 چاہیے تھا کہ جہاز کو سمندر سے خشکی پر لانا کتنا مشکل کام ہے۔
 اسی غصے کے عالم میں اُس نے انگوٹھے سے فلوٹ کو کس کیا
 اور پھر دونوں پاؤں اُس پر مضبوطی سے رکھ کر کھڑی ہو گئی۔
 فلوٹ پر خاصی پھسل تھی۔ اُس نے امیری والی جوتا پہن رکھا
 تھا۔ پاؤں چلنے کے لیے اُس نے جہاز کے پیر کا سارالے
 رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں زنجیر اور دوسرے میں ہک والی چھڑی
 تھی۔ آہستہ آہستہ جہاز سُرُخ نشان کی طرف بڑھنے لگا۔
 سمندر میں تیز لہریں اٹھ رہی تھیں، اس لیے جہاز ہچکچکے
 رہا تھا۔ جو تیز تیرتا ہوا پیر قریب آیا، اُس نے پھڑکی سے
 اُسے اپنے قریب کھینچا اور زنجیر کی ہک چلتے میں ڈال دی۔
 "خوب! اب اسے چھوڑ دیجیے۔" راس نے کہا۔
 "کیسے؟" لاک وڈ نے پوچھا۔
 راس نے اُس کی طرف سُرُخ کرتے ہوئے کہا: "سُرُخ نشان

کو سمندر میں ڈال دیجیے۔" پائلٹ کی نظر دوبارہ کمرہ سامنے سے
 ہٹی تو جہاز ایک تیز لہریں زد میں آ گیا۔ اُسے سیدھا کرنے کے
 لیے اُس نے اچانک انجن کھول دیا تو کچھ اذیت سے گھٹا اور ہوا
 کا ایک تیز جھونکا آیا۔ جب جہاز سیدھا ہوا تو پائلٹ یہ دیکھ
 کر بہت گھبرایا کہ لاک وڈ پانی میں گر چکی ہے۔ وہ اپنی بیڈ سے
 اچھل کر دروازے تک پہنچا، فلوٹ پر بھجھا اور اُس نے لاک وڈ
 کا ہاتھ پوری قوت سے پکڑا اور اُسے اندر کھینچ لیا۔ اُس
 کا لباس جسم سے چپک گیا تھا اور ایک جوتا پاؤں سے نکل
 چکا تھا۔ وہ فلوٹ پر کھڑی ہو گئی۔

"س لاک وڈ! راس نے کھنت کر تے ہوئے کہا۔
 مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟"
 اُس نے غضب ناک لہجے میں کہا: "تم نے جان بوجھ کر
 مجھے سمندر میں گرایا ہے۔"
 اُس کے باپ نے ہنستے ہوئے مداخلت کی: "ایکس!
 یہ ایک حادثہ تھا۔"

"نہیں ڈیڈی! یہ حادثہ نہیں تھا۔ اس نے جان بوجھ کر
 اچانک انجن کھولا اور ہوا کے جھونکے نے مجھے پانی میں دھکیل
 دیا۔" وہ بدستور غصے میں تھی۔

"مجھے واقعی بہت افسوس ہے۔ میں ایسا نہ کرتا تو جہاز
 کے اُلٹنے کا خطرہ تھا۔" راس نے جواب دیا۔

"نہیں! مجھے تمہارے ایک لفظ پر بھی اعتبار نہیں۔" ایکس
 بولی۔ راس نے مسکرا کر لاک وڈ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی جواب میں مسکرایا۔
 اتنے میں ساحل کی طرف سے ایک موٹر بوٹ آئی اور جہاز کے
 ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ لاک وڈ اور ایکس اُس میں سوار ہو گئے۔
 پائلٹ نے سامان منتقل کیا اور خود بھی ششی میں سوار ہو گیا۔ اُس
 نے فلائنگ جوتے بڑھاتے ہوئے کہا: "س لاک وڈ! انہیں
 پسینہ لیجیے۔"

اس چھوٹے سے قصبے کا ہوٹل بڑا صاف ستھرا تھا۔
 باپ بیٹی کا سامان کمرے میں پہنچا کر اُس نے لاک وڈ سے چٹائی
 لی۔ اپنے کمرے میں آکر مٹہ ہاتھ دھویا۔ اور جب وہ ہوٹل سے

باہر نکل رہا تھا تو اُس نے دیکھا کہ گیلے کپڑوں میں ملبوس ایکس
 اُسے ابھی تک بہت خوشگین لگا رہی ہے۔ سبک دہی ہے۔
 بندرگاہ تک پہنچتے پہنچتے اُسے شام ہو چکی تھی۔ اُس نے جہاز
 میں تائیل بھرا۔ یہ خاصا تھکا دینے والا کام تھا۔ وہ ٹوٹا لٹکیا
 اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اُس نے کہا: "بشر! اس مجھے
 معاف کر دیجیے گا۔ ڈیڈی نے مجھے قائل کر لیا ہے کہ یہ واقعی
 ایک حادثہ تھا۔"

"شکریہ مس لاک وڈ! اُس نے خوشدلی سے کہا۔ اگلی بار
 میں خود یہ فرض سرانجام دوں گا۔"

"نہیں! یہ کام میں ہی کروں گی، ورنہ اس مہم میں میری
 موجودگی بے کار ثابت ہوگی۔" ایکس نے ضد کی۔

اگلے دن انہیں جو موسمی رپوٹ ملی، وہ سفر کے لیے
 سازگار نہ تھی۔ اگلی منزل آئس لینڈ تھی اور آئس لینڈ میں دوسرے
 کے بعد گری دھند چھا جانے کا احتمال تھا؛ چنانچہ انہیں ایک
 دن اور ان ویئر گورڈن کے قصبے میں ٹھہرنا پڑا۔

راس صبح سویرے نیند سے بیدار ہوا اور اُس نے ہوٹل
 کے ہال میں جا کر لنڈن کے محکمہ موسمیات کو فون کیا۔ یہ جان کر
 اُسے اطمینان ہو کر موسمی پیش گوئی حوصلہ افزا ہے۔ اُس نے کپڑے
 بدلے، اپنی کپڑ اٹھائی اور ہال میں آ گیا۔ ایکس، سفید روڑا ل
 میں ملبوس تھی اور فلائنگ بوٹ پہنے اُس کے انتظار میں کھڑی
 تھی۔ راس نے کہا: "س لاک وڈ! یہ لباس آپ کو خوب سچ
 رہا ہے۔"

اس تعریف پر لاک وڈ بہت خوش ہوئی۔ ناشتے کے بعد وہ
 موٹر بوٹ کے ذریعے ہوائی جہاز تک پہنچے۔ راس نے انجن اشارت
 کیا۔ ہوائی جہاز دیر تک پانی میں تیرنے کے باوجود ہوا میں
 بلند نہ ہو سکا تو راس نے کہا، "ہمیں دس گیلن پٹرول سمندر
 میں پھینکنا پڑے گا۔" پمپ کے ذریعے اُس نے انجن کی ٹینکی
 سے تیل نکالا اور سمندر میں بہا دیا۔ اس بار ڈیڈی مل دوڑنے
 کے بعد جہاز فضا میں بلند ہوا اور آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔
 اسکاٹ لینڈ پر اڑتے ہوئے راس نے اگلے اسٹاپ پر رک جا کر



قابل اعتماد کالاکولا ہیئر ٹانک

بالوں کی قدرتی غذا ہے۔ اسکا روزانہ استعمال بالوں کو گرنے سے روکتا ہے، اور خشکی دور کرتا ہے!

ناشتے کے بعد وہ قبضے کے دفتر موسمیات گیا۔ معلوم ہوا کہ آج سہ پہر تک موسم صاف رہے گا۔

ہوائی جہاز کا پٹرول تیرہ سو میل کی اڑان کے لیے کافی تھا۔ مطلع صاف تھا اور زھوپنگی ہوئی تھی۔ ساڑھے نو بجے انہیں سمندر میں برف کے ٹودے تیرتے نظر آئے۔ اس نے اپنے اگلے مستقر اینگک ساکٹ وائرلیس پیغام بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہاں بادل چھا رہے ہیں اور سہ پہر تک روشنی کم ہو چکا خطرہ ہے۔

اب وہ پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہے تھے۔ اُس کے نیچے بادل تھے جو دونوں طرف سفید ہوا زمین کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے وائرلیس کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اینگک ساکٹ کے اوپر اڑ رہے ہیں۔ بادلوں میں کوئی ایسا روزانہ نظر نہیں آ رہا تھا جس سے جہانک کروہ اترنے کے لیے کسی مناسب مقام کا انتخاب کر سکتے۔ پندرہ منٹ تک جہاز قبضے کے اوپر چڑھ گیا۔ ایک چکر میں جہاز مغرب کی طرف دُور تک چلا گیا۔ اُس طرف بادلوں کا میدان خاصا اُدھیا تھا سفید سطح جہاز کے فلوٹ کے اتنی قریب آگئی کہ اس کو اوپر کا رخ کرنا پڑا۔

خوف کی سرد لہر اُس کے سارے وجود میں دوڑ گئی تھی۔ اُس نے پوری قوت سے تھرا مل کھولا اور وہیل گھمایا۔ جہاز ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھا تو لاک وڈ اور ایکس اپنی اپنی سیٹوں پر مل گئے۔ انہوں نے گھبرا کر پائلٹ کی جانب نگاہیں اٹھائیں۔ وہ کھڑکی میں سے ٹھکنا ہوا نیچے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پروفیسر لاک وڈ کی طرف رخ موڑا۔ پروفیسر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید پڑ چکا ہے۔ ”کیوں کیا ہوا؟“ لاک وڈ نے پوچھا۔ ”ذرا نیچے دیکھیے!“ اس نے کہا۔ ”کچھ نظر آ رہا ہے آپ کو؟“

”بادل.... صرف بادل....“ لاک وڈ نے کہا۔
”بادل نہیں.... برف....“ بادل تو ایک سراب تھی۔

وائرلیس پیغام بھیجا اور اپنی پوزیشن سے آگاہ کیا۔ ہر آدھ گھنٹے بعد وہ ٹرک جاؤک کو اپنی پوزیشن سے مطلع کرتا رہا۔

اب وہ کھلے سمندر کے اوپر اڑ رہے تھے۔ خالی سمند میں انہیں صرف ایک ٹرا لفر آئدا انسانوں کی مینا سے اُن کا رابطہ کٹ چکا تھا۔ بادلوں کی وجہ سے اس کو پندرہ سو فٹ کی بلندی پر آنا پڑا۔ بادل دم بدم نیچے آ رہے تھے جس کی وجہ سے اُسے بلندی کم کرنا پڑی۔ آخر کار اٹھ سو فٹ کی بلندی پر اترتے ہی بنی۔ اب وہ سمندر میں اُٹھتی ہوئی لہریں صاف دیکھ رہے تھے۔ ”ساحل اب صرف ساٹھ میل دُور ہے۔“ اس نے اعلان کیا۔

اچانک دھند میں سے ایک سیاہ رنگ کی چٹان ابھری جس کے نیچے سمندر کی موجیں کٹ اُڑاتی اور ایک دوسری سے لڑتی جڑتی نظر آئیں۔ ساحل پھر بڑھ گیا اور اُسے دیکھ کر خوف آتا تھا۔ یہ اُس لینڈ تھا۔ تجربہ اور سہ۔ ہوائی جہاز نے ایک دو چکر لگائے اور ایک مناسب جگہ پر گم گسے پانی میں اتر گیا۔ اس بار ایکس نے نہایت کامیابی سے ہوائی جہاز کا کنڈا پیچاک پیچے کے حلقے میں ڈال دیا۔

اُس نے فلوٹ پر کھڑے کھڑے کہا، ”مسٹر اس! اس بار تو میرے پاؤں بھی نہیں بیسیگے۔“ جہاز کے ساکن ہوتے ہی ایک موٹر بوٹ اُس کے پسٹو سے آگئی۔ انہوں نے موٹر بوٹ میں اپنا سامان منتقل کیا اور اُس میں بیٹھ کر ساحل پر جا اُترے۔ ہوٹل میں کچھ دیر قیام کرنے کے بعد اس اور ایکس بندرگاہ پر آئے اور انہوں نے جہاز میں تیل بھرا۔ یہ خاصا تھا کہ دینے والا کام تھا۔ شام کے سات بجے واپس ہوئے۔ پہنچے۔ رات کے کھانے پر اس کچھ بھی نہ کھا سکا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی جائے گا تو صبح تک اپنی نیند پوری کرے، مگر اس قبضے کے میئر سونسن کی دعوت پر انہیں ایک استقبالے میں شریک ہونا پڑا۔ وہاں مقرر ترین قبضہ نے تقریریں کیں اور جنیں آدمی رات کے بعد انہیں فارغ ہونے کا موقع ملا۔ اس نے پانچ بجے صبح کا الام لگایا۔ وہ جی بھر کسو بھی دے گا تھا کہ الام بجے لگا۔

یہ برف اُس کیس کیس لگاتی ہے؟" اس نے کہا۔
پہاڑی چوٹی پر برف بادلوں سے مل گئی تھی۔ اگر دو چار لمبے اور اس کو بوش نہ آتا تو وہ اُس سے ٹھوکرے ہوتے۔
"اینگلہ سالک سے ریڈیائی رابطہ قائم کرنے پر معلوم ہوا کہ آج وہاں اتنا مشکل ہے۔" اس نے جہاز کا رخ مشرق کی طرف موڑتے ہوئے کہا، "سرا! ہمیں رُک جاؤ! لوٹنا پڑے گا۔"
"کیا ہمارے پاس اتنا پٹرول باقی ہے؟" لاک فوڈ نے پوچھا۔
"یقیناً۔" پائلٹ نے جواب دیا۔
"ایکس! ہمیں بڑھ کے لیے کچھ دو۔" لاک فوڈ نے کہا۔

ایکس نے ایک پیسٹ سے کچھ سینڈوچ نکالے اور انہیں دیے۔ سینڈوچ کھانے کے بعد اُس نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ جہاز میں چھ گھنٹے کی پرواز کا پٹرول موجود ہے؛ تاہم ایندھن بچانے کے لیے وہ جہاز کو سات ہزار فٹ کی بلندی پر لے گیا۔ انہیں اڑتے ہوئے پانچ گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس نے کہا: "مس لاک فوڈ! کیا آپ اپنے ڈیڈی سے نشست بدلنا پسند کریں گی؟"
"ٹھیک ہے، تھوڑی سی تبدیلی سے کچھ بوریٹ کم ہوگی۔" ایکس نے جواب دیا۔
باپ بیٹی نے بیٹیش بدل لیں تو اس نے کہا: "مس لاک فوڈ! کیا آپ مجھے باتوں میں لگائے رکھیں گی؟ مجھے نیند آرہی ہے۔"
ایکس نے اُسے جگانے رکھنے کے لیے جہاز کی مینزینز کے متعلق پے درپے سوالات شروع کر دیے۔ جب ان سوالات کا ذخیرہ ختم ہوا تو اُس نے پائلٹ سے اُس کی زندگی کے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اس دوران انتہی حد تک کافر بھی ہوا۔ ایکس نے اُس کا پتہ معلوم کیا اور اچانک یوں لگا

جیسے باتوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہو لیکن عین اُس لمحے پائلٹ کو دُور آتی پریشانی نظر آگئی۔ ایک سو دس میل آگے رُک جاؤ کہ سے جو سگنل موصول ہوا، اُس سے پتہ چلا کہ وہاں روشنی خاص ہے اور بادل بھی نہیں لیکن ہوا تیز چل رہی ہے۔

آخر قصبے کے خدوخال صاف نظر آنے لگے۔ ہوائے میں خاصا طوفان اٹھا کھٹا تھا؛ تاہم اس، جہاز کو بھیج سالک اُتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹینک میں صرف پانچ گالین پٹرول باقی رہ گیا تھا۔ تیز ہوا سے پچلنے کے لیے اُس رات جہاز کو خشکی پر لانا پڑا۔ رات دس بجے اس کو بستر میں جانے کا موقع ملا۔ صبح دو بجے اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی یہ خیال اُس کے ذہن میں ٹوٹی بن کر چھ رہا تھا کہ ممکن ہے واپسی سفر میں اُن کے سلسلہ خراب ہو گئے ہوں، اور نئے سلسلہ رامیر کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتے۔ گویا اس فہم کا یہیں خاتمہ باخیر ہونے والا تھا۔

اگلے دن اُس نے اُن کے سلسلہ رنکالے پر تال کھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صبح سالم ہیں۔ لیکن اُن کو لے اور سلسلہ نکال کر انہیں صاف کرنے کا کام خاصا لمبا تھا۔ کہیں دوپہر کو وہ فارغ ہو کر باپ واپس آتے ہوئے راستے میں ادویات کی ایک دکان بٹنی تھی۔ کیسٹ سے اُس نے "ٹرکسی جن" کی ایک بڑی بوتل خرید لی۔ پھر ایکس کے ہمراہ وہ بندرگاہ پہنچا اور وہاں دونوں شام تک کام کرتے رہے۔ انہوں نے سلسلہ صاف کر کے انجن میں نصب کیے۔ پھر وہ بوتل واپس چلے آئے اور ڈر کیا۔ اس نے سونے سے پہلے ٹرکسی جن کی ایک ٹیکہ پانی سے کھائی۔ دس منٹ کے اندر اندر نیند اُس پر غالب آگئی۔ صبح اُس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے آپ کو بڑا تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ اُس دن اس نے ایکس کو جہاز اُتارنے کی ابتدائی تربیت دی۔ دوپہر کے بعد انہوں نے جہاز میں پٹرول بھرا۔ اُس شام جو موسمی رپورٹ ملی، اُس کے مطابق اگلے دن پرواز کے لیے انتہائی موٹوں تھا۔ رات اُس نے پھر ایک ٹیکہ کھائی اور پانچ بجے صبح کے لیے الام وگاڑا لیا۔

اگلی صبح ساڑھے سات بجے ہوائی جہاز فضا میں بلند ہوا۔ ایک گھنٹے کی پرواز کے بعد انہیں پہلی پیک اُس دکھائی دی۔ برف کے اوپر گھنٹی دھند کا بادل چھایا ہوا تھا۔ مزید ایک گھنٹہ پرواز کر کے تو گرین لینڈ کے ٹوٹے چھوٹے ندانے دار پہاڑ نظر آنے لگے۔ اُن پر بے گھشیر ساحل تک آ پہنچے تھے۔

اس نے سانس روک کر کہا، "سرا! یہی خوفناک جگہ ہے جہاں ہمیں اُترنا ہے۔"
اینگلہ سالک سے پائلٹ کو باقاعدہ سگنل مل رہے تھے۔ انہیں پرواز کر کے پورے تین گھنٹے ہو چکے تھے جب وائیس کے کچھ نظر آئے اور ایک چھوٹا سا دریا جو سمندر میں گر رہا تھا۔ دریا کے کنارے گرجا نما ایک مکان دکھائی دیا۔ اُس کے گرد سات آٹھ چھوٹے چھوٹے مکان تھے۔

"کیا یہی اینگلہ سالک ہے؟" ایکس نے پوچھا۔
"یہ مشرقی گرین لینڈ کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ پانچ چھ سو مل آگے جا کر اس سے بڑا قصبہ ملے گا۔" اُس کے باپ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس نے بندرگاہ کے اوپر ایک بڑا گلیڈ بندرگاہ کے بیرونی حصے میں برف کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ دو اُس رگوں کے درمیان جوگی سی بن گئی تھی، وہاں اُس نے اپنا جہاز اتارا۔ یہ اُس کی مہارت کا واضح ثبوت تھا کہ وہ برف کے تیرتے ہوئے ٹکڑے سے جہاز کو بچالے گیا۔ ایکس نے اس بار بھی، نہایت چھتری سے، جہاز کی زنجیر تیرتے ہوئے پہلے کے حلقے میں ڈال دی؛ تاہم اُس کے پاؤں برفانی پانی میں جھبک کر سُج ہو گئے۔ کہیں میں اگر اُس نے گیلے ہوئے اُتار کر پاؤں کی مائل کی۔ اتنے میں ایک موٹر بوٹ جہاز کے ساتھ آگئی۔ انہوں نے اپنا سامان اُس میں رکھا اور ساحل پر اُن اُترے۔ ایک گورے آدمی نے اُن کا استقبال کرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا، "میں اس شہر کا گورنر ہوں۔" اُس کے گھر میں اُن کی ملاقات اُس کی بیوی سے ہوئی جو اسکیمو تھی۔ گورنر نے اُن کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ کھانے کے بعد اس اور

ایکس نے ساحل پر جا کر جہاز میں وافر پٹرول بھرا۔ واپسی پر وائیس اسٹیشن کے اوپر پڑے معلوم ہوا کہ اس برس گرین لینڈ میں گھڑ زیادہ پڑ رہی ہے اور ایک بجے دن تک "جولین اباب" میں اتنی دھند چھا جاتی ہے کہ اگر دیکھ کر نظر نہیں آتا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے بستر پر تھکے ہوئے گھس گئے۔ ایکس اور لاک فوڈ جلدی سو گئے، لیکن اس کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اُسے موسمی رپورٹ کی روشنی میں اگلے دن کا سفر محسوس نظر آ رہا تھا۔ مجبوراً اُس نے ٹرکسی جن کی ایک ٹیکہ کھائی اور اُسے فوری نیند آگئی۔ صبح، کلاک کا الام بجا تو اُس کی آنکھ کھلی۔ اُسے محسوس ہوا کہ وہ رات بھر کوئی خواب دیکھتا رہا ہے، مگر اُس کی جزئیات ذہن سے بالکل غور ہو گئی تھیں۔

جب وہ ساحل پر پہنچے، دُھوپ چمک رہی تھی۔ انہوں نے گورنری کمانڈر کی کاشمیری کاٹنگ پر ادا کیا اور جہاز میں آ بیٹھے۔ پندرہ منٹ ٹیکسی کرنے کے بعد کہیں ٹیک آف کے لیے پائلٹ اس کو مناسبت مل گئی۔ اُس میں بھی آوارہ برف کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اُس نے جہاز کو فضا میں بلند کیا اور مغرب کی طرف اُس کا رخ پھر دیا۔ کچھ پچھتہ پچھریٹے ساحل پر دیر تک انہیں کوئی آبادی نظر نہ آئی۔ گرین لینڈ کا جزیرہ یوں کن حد تک بے خبر اور ویران تھا۔ ایک گھنٹہ گزرنے پر انہیں یولین اباب سے پیغام ملا کہ وہاں دھند گہری ہو رہی ہے۔ پائلٹ نے لاک فوڈ سے کہا، "سرا! ہمیں اینگلہ سالک لوٹنا پڑے گا۔"

"ہمارے پاس کتنا پٹرول باقی ہے؟" لاک فوڈ نے پوچھا۔
"تقریباً نو گھنٹوں کی پرواز کے لیے کافی ہوگا۔"
"کیا بہتر نہ ہوگا کہ ایک گھنٹہ اور سفر کے بعد کوئی فیصلہ کریں؟" لاک فوڈ نے کہا۔
"بہت اچھا!۔" اس نے جواب دیا۔
وہ ساحل کے اوپر اُترے رہے۔ اچانک ایک مقام پر انہیں چھوٹی سی آبادی نظر آئی۔ اسکیمو ہوائی جہاز کی آواز سن

کوساحل پر اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ طیارہ تین سو فٹ نیچے لاکر آبادی کے اوپر اڑنے لگے۔ عین اُس لمحے ایک لگ ساکن سے وائرس پینا کیا اور کہا بھی دھند چھا گئی ہے اور وہاں بھی جہاز سلاستی سے نہیں اُتاراجاسکتا؛ چنانچہ انہوں نے ایک میٹروں کی بستی کے نزدیک اُترنے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ وہاں ساحلی سمندر چٹانوں سے خالی تھا اور برف بھی نہیں تھی پانٹ نے جہاز اُتار دیا اور اُسے ٹھیکسی کرتے ہوئے ساحل کے نزدیک لے آیا۔ ایک میٹرو ساحل پر کھڑے اُن کا انتظار کر رہے تھے طیارہ ایک جگہ اُتر سکی سے ریت پر ٹپک گیا تو پانٹ جہاز کا کیبل ہاتھ میں لیے ساحل کی طرف بڑھا۔ ایک ایک میٹرو نے آگے بڑھ کر اپنا قندق کر لیا، ”چیفت ٹوکی!“ اُسے بس اتنی ہی انگریزی آتی تھی۔ پھر سارے ایک میٹرو ہوائی جہاز کے گرد جمع ہو گئے کوئی نوٹ ایکس کے کپڑوں کو اُٹھانے میں لے کر دیکھ رہی تھی اور کوئی اُس کے بال چھو رہی تھی۔ تب کسی نے اُس کے منڈی کی زپ دیکھ لی۔ ایک لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر اُسے کھینچا تو وہ کھل گئی اور سارے ایک میٹرو ہٹکھلا کر نرس پڑے۔

راس نے غصے میں کہا، ”ٹوکی!“

ٹوکی نے اپنی زبان میں کوئی حکم دیا اور تین پچھڑے گئیں۔ پھر چیفت کی بیوی آگے آئی اور ایکس کو اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ ایکس نے مکان کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ بدلو کے ایک تیر بھپکے نے اُس کا رخ موڑ دیا۔ یہ بدلو سترے ہوئے گوشت، پیشاب، کتوں کے بھیکے بالوں اور بچوں کے پانخانے کا مفلج تھی۔ ایکس گھبرا کر پیچھے ہٹا تو راس نے کہا، ”مس لاک ڈو!“ اسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ یہ لوگ بڑے سٹاس ہوتے ہیں۔“ ایک میٹروں کے اس خاندان کا گھر ایک ہی لمبے کمرے پر مشتمل تھا چھت چھ ستونوں پر کھڑی تھی، انہی ستونوں پر کمرے کی ریتیاں تھیں اور اُن پر کپڑے لٹکے تھے۔ اس طرح کمرہ کو کیلینوں میں تقسیم کر لیا گیا تھا۔ اُن کے درمیان پردہ بٹنے نام ہی تھا۔ دیوار کے ساتھ دو فٹ اونچا پلیٹ خام بنایا گیا تھا۔ گویا یہ ایک لمبا سانچہ تھا۔ اُن کی زندگی کے بیشتر معمولات

اسی پنج پر سرخا جاتے تھے۔ نیچے بقیہ فرش کتوں کے لیے وقف تھا۔ یہیں گوشت کاٹا جاتا اور شکار کے سامان کی مرمت ہوتی۔ اُن کے سامنے اُبلے گوشت کی ایک پلیٹ رکھی گئی تھی۔ دیکھ کر انہیں گھن آتی، لیکن کھانے میں یہ گوشت خاصا لالچ ثابت ہوا۔ یہ سیل یعنی دریائی بچھڑے کا گوشت تھا۔ دوپہر آرام کرنے کے بعد وہ ساحل پر آگئے اور ایک میٹروں کی مدد سے جہاز کھینچ کر لے آئے۔ یہاں ریتوں کی مدد سے اُسے کنارے کے پتھروں سے بانڈ دیا۔ انہوں نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں چیفت کو تحفے کے طور پر دیں۔ ایک میٹرو بہت خوش ہوئے۔ یہ لوگ بہت غریب تھے جس زمین پر وہ رہتے تھے، اُس کی مٹی سے کچھ نہیں نکلتا تھا۔ سیل کے شکار کے ہوا اُن کا اور کوئی ذریعہ روزگار نہ تھا جو چیز ملتی اُسے وہ بانٹ کر کھاتے۔ سیر ہوتے تو بھی یہ ہوتے۔ بھوک آتی تو سب اُس میں برابر شریک ہوتے۔

کمرے کے اندر فضا میں بہت گھٹن تھی۔ فم جو اپنے بستر تھیلوں میں گھس کر لیٹ تو لگے لیکن انہیں نیند نہیں آتی رہی تھی۔ راس اگلے روز کے سفر کی سوچ رہا تھا بہت دیر تک نہ آئی تو اُسے ٹرا کسی جن کی ایک ٹیکہ کھانی پڑی۔ صبح وہ معمول کے خلاف دیر سے اُٹھا۔ ایکس اُس سے پہلے کپڑے پہن کر تیار ہو گئی تھی۔ راس نے کہا، ”تمام رات مجھے خواب نظر آتا رہا۔ کیا دیکھنا ہوں؟“ ایک ایک جھاڑیوں سے پتھیراں ہیں ہاگ رہا ہوں اور سیلوں تک جھاگتا لگا گیا ہوں۔“ ساتھ بول کو اس عجیب خواب پر بڑی حیرت ہوئی۔ اُبلے گوشت کا ناشتہ کرنے کے بعد وہ ساحل پر آئے۔ ٹوکی اور اُس کے آدمیوں کی مدد سے جہاز کو اوپر اُٹھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اڑھائی گھنٹے کی پرواز کے بعد وہ جولین اباب کے اوپر اُڑ رہے تھے۔ یہ آبادی ایک لگ ساکن کی نسبت خاصی بڑی تھی۔ یہاں جہاز اُتارنے میں کوئی وقت پیش نہ آئی۔ راس نے لاک ڈو کی طرف متوجہ ہو کر کہا، ”ہم اپنی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔“

”صرف تمہاری محنت کا نتیجہ ہے، ہر ستراس!“ پروفیسر نے کہا۔

ساحل سے ایک ہندسی کشتی اُن کی طرف آئی۔ اُسے دو اُوپنے قد کے ایک میٹرو چلا رہے تھے جن کے چہروں پر یورپی نقوش واضح تھے۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی بول سکتے تھے۔ ”کیا کوئی جیمسن نامی آدمی ہمارے انتظار میں یہاں ٹھہرا ہوا ہے؟“ راس نے پوچھا۔

”آہا تھا، لیکن وہ جہاز پر بیٹھ کر گاتھاب چلا گیا ہے“ ایک ایک میٹرو نے جواب دیا۔ راس اور لاک ڈو کو اس خبر پر حیرت ہوئی۔ گورنر سے ملنے کے بعد اس خبر کی تفصیل معلوم ہوئی۔ جیمسن کو جہاز میں ایک حادثہ پیش آگیا تھا اور اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ یہاں اسپتال میں اُس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی؛ چنانچہ وہ تصویر کشی کا سامان اس جگہ چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ جہاز کو تین دن بعد اس بندرگاہ پر پھر آنا تھا۔ راس نے کہا، ”اب جیمسن ہمارے لیے بے کار ہے۔“ تو ٹوکرانی اور سروے کا کام بھی یہیں خود سر انجام دینا ہو گا۔“

اگلی صبح کیمرو لیے راس اور ایکس جہاز میں سوار ہوئے۔ اس سے پہلے راس نے کیمرو استعمال کرنے کا طریقہ ایکس کو سکھایا دیا تھا۔ ایک مختصری اُڑان کے بعد وہ برائٹ لاک کے اوپر اُڑ رہے تھے۔ یہ علاقہ گرین لینڈ کے مغربی ساحل کی طرف واقع تھا جو مشرقی ساحل سے بہت مختلف تھا۔ سمندر اکثر مقامات پر تنگ آبنائوں کی صورت میں خشکی میں ڈوبتا تھا۔ آبنائوں کے دونوں جانب پہاڑیاں تھیں جن پر گھاس کی بوٹی تھی۔ فضا سے زمین خبردار آباد دکھائی دیتی تھی، لیکن برائٹ لاک میدان خاصا ہموار تھا اور فضا سے یہ صاف نظر آتا تھا کہ ماضی میں، بہت پہلے یہاں کوئی بستی قائم تھی۔ زمین پر گڑبڑاٹھیاں اور چھوٹی چھوٹی مستطیلیں تھیں جن سے جو ظاہر کرتی تھیں کہ یہاں کبھی پتھر کے مکانات موجود تھے۔

انہوں نے اس علاقے پر پندرہ منٹ تک پرواز کی، لیکن

ایکس کیمرو استعمال نہ کر سکی۔ راس کو ایک آبنائے میں جہاز اُتانا پڑا۔ اپنی سیدھ سے اُٹھ کر وہ ایکس کے پاس آیا اور اُس نے کہا، ”آپ غلط ہیں دیہاتی تھیں۔ اصل میں تو یہ ہے۔“ راس نے تصویر کشی کے متعلق ہدایات دہرائیں اور اُسے کیمرو سیدھ کر کے دیا۔ اس کے بعد کی اُڑان میں کیمرو ٹھیک ٹھاک فوٹو لیتا رہا۔ دس منٹ بعد ایک ریل پر ختم ہو گئی۔ ”جولین اباب“ میں واپس آکر سکرپ یہ پیدا ہو کر کیمرو تصویریں ڈوب کیسے کی جائیں۔ خوش قسمتی سے قبضے کا گورنر یہ کام جانتا تھا۔ اُس نے فوٹو ڈوب بھی کیے اور ایک اور کانی کی دعوت بھی دی۔ یہیں فیصلہ ہو کر برائٹ لاک میں کیمپ لگانے کے لیے اُن کا سامان کشتی کے ذریعے وہاں بھیجا جائے گا یہ انتظام اگلے دن پر ملتوی کر دیا گیا۔

وہ پہلی شام تھی جب راس کو ہر طرح کی خدمت حاصل تھی۔ اس کے باوجود وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اُس کے اعصاب سکون آشنا ہونے سے انکار کر رہے تھے۔ ایکس نے اُس کی حالت دیکھی تو شربوب کا ایک گلاس لے آئی۔ ایکس کی باتوں اور شربوب کے چند گھنٹوں نے اُس کی تھکن گھٹائی، لیکن رات اُسے پھر خواب آور ٹیک کھانی پڑی۔ وہ صبح جیسے تک سوتا رہا، لیکن اُس کی نیند سکون سے عاری تھی۔ وہ اچانک خوفزدہ سا ہو کر جاگا۔ اُسے سُرس ہوا جیسے اُس نے کوئی نہایت خوفناک خواب دیکھا ہو۔ اُس کے ہاتھ اور پاؤں ٹھنڈے پڑ چکے تھے، مگر اُس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔

صبح کا مکمل تھا اور جولین اباب کی ساری آبادی ساحل پر جمع تھی۔ وہ جہاز کو زمین سے اوپر اُٹھتے دیکھنا چاہتے تھے۔ جہاز فضا میں بلند ہو گیا تو قبضے کا ڈاکٹر لاک ڈو کے پاس آیا۔ اُس نے کہا، ”پروفیسر! گرین لینڈ کا ہوائی سفر اعصاب شکن ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے پانٹ کو بہت زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔“

”اس مشورے کا شکریہ، ڈاکٹر! ... میرا پانٹ، راس بہت فرض شناس ہے اور فرض شناسی حد سے بڑھ جائے تو

پہلی بار

کمی چمکار کپڑے اچھے

صابن سے بالکل مختلف زیادہ طاقتور، دھلائی کی ڈرجنٹ ٹکیہ



رن آزمایے! صاف ترین دھلائی کے لئے طاقت
سے ہر لور ڈرجنٹ ٹکیہ کپڑے کتنے ہی میلے
کیوں نہ ہوں نہ میں ہلکے کیے ہتھوڑا سارن
کپڑوں پر مل کر جھاگ بن جائے۔ رن کا
ہاتھوڑا جھاگ میل کوڑے اکھاڑ دیتا ہے۔ رن کی
دھلائی سب سے صاف، سب سے اچلی اور
اگلائی ہے۔ ہتھوڑا سارن صابن سے کہیں زیادہ
کپڑے دھوتا ہے۔



تھوڑا سا رن - بہتی صفائی

استعمال کے دوران
اور ہر بار رن
بہت ہواڑا صابن
دلی ہیں۔ کیے۔

RIN 3, 64 UD

RELINTAS

دس میل دو کیمپ لگایا۔ آجیگو نے ہمیں کوئی تکلیف نہ ہونے
دی، لیکن آج صبح اُس نے کیمپ اٹھانے اور اس جگہ آنے
میں بہت جلدی سے کام لیا۔ جانے کیوں؟
”آجیگو نے اس جلدی کی وجہ کیا بیان کی؟“ اس
نے پوچھا۔

”وہ کمرہ رہا تھا کہ اس جگہ ہمیں سورج ڈھلنے سے پہلے
پہلے پہنچنا چاہیے۔“ لاک وڈ کے بجائے ایکس نے جواب دیا۔
پائلٹ، اس نے اپنے ماحول کا جائزہ لیا، مشرق کی
طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس پر گھاس اُگی ہوئی تھی۔
جنوب کی جانب ایک چھوٹی سی ندی کھاڑی میں گر رہی تھی۔
کھاڑی ریت تھی اور سوائے مغرب کے، ہر پہلو ہواؤں سے
محفوظ تھا۔

”کیمپ کے لیے ہمیں اس سے زیادہ موڑوں جگہ ملنا
مشکل تھی۔ یہاں مشین بھی محفوظ رہے گی اور ہمیں پینے کو
میٹھا پانی بھی ملتا رہے گا۔“ اس نے کہا۔

”واقعی یہ کیمپ کے لیے بہت موڑوں مقام ہے،
لیکن اس کے انتخاب میں پہل جاری طرف سے نہیں ہوئی۔“
لاک وڈ نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ سامنے جو گھاس کا میدان دکھائی دے رہا ہے،
وہاں تھوڑی کی دو قطاریں ایک دوسرے سے زوایہ قائم پر
مل رہی ہیں۔ یہاں کبھی ایک مکان تھا۔“

”آج سے کتنا عرصہ پہلے یہ مکان بنا تھا؟“ اس
نے پوچھا۔

”کم از کم ایک ہزار سال پہلے۔ جب براٹالڈ کے اس
میدان میں پہلی بستی آباد ہوئی تھی۔“ لاک وڈ نے جواب دیا۔
اُسے آسکیو زبان کے چند لفظ آتے تھے۔ اُس نے

اُن سے کام لے کر آسکیو آجیگو اور میراک سے کہا کہ وہ
سامان موٹر بوٹ سے نکال لائیں اور ندی کے کنارے خیمہ
نصب کریں۔ دونوں آسکیو کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑے

ضد بین جاتی ہے۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ اُسے کچھ دنوں
کے لیے کام سے باز رکھوں۔“ لاک وڈ نے جواب دیا۔
واپس آکر گورنر نے لاک وڈ کا تعارف اُن دو آسکیوؤں
سے کر لیا جو اُن کے ساتھ براٹالڈ جانے کو تیار تھے۔ یہ
دونوں آسکیو پوری شکل و صورت کے تھے۔ ان میں سے ایک
جس کا نام آجیگو تھا، ایک موٹر بوٹ کا مالک تھا۔ دوسرے
کا نام میارک تھا۔



اگلے دن اس بجے، جیس کا جہاز بھی آپہنچا۔ جیس اپنی
برتھ پر لیٹا ہوا تھا اور اُس کی ٹانگ کے ساتھ وزن بندہ تھا کہ
سیدھی رہے۔ وہ اس صبح میں شامل ہونے کے قابل نہ تھا، لہذا
اُس نے فوڈ گرانریلوں کا معاہدہ کیا اور انہیں تصویر کشی کے
متعلق مزید ہدایات دیں۔ ایکس نے یہ ہدایات کاغذ پر
نوٹ کر لیں۔ جہاز لوٹ جانے کے بعد انہوں نے اپنا سامان
آجیگو کی موٹر بوٹ میں لاداد۔

یہ خاصا تھکا دینے والا کام تھا۔ اس میں رات کے
گیارہ بج گئے۔ بے حد تھک جانے کے باوجود اس کو رات
نیند نہ آئی تو وہ خواب آور نگیاں کھانے پر مجبور ہو گیا۔ صبح پانچ
بجے اُس نے پروفیسر لاک وڈ اور ایکس کو خدا حافظ کہا۔ وہ
دونوں موٹر بوٹ میں براٹالڈ جا رہے تھے۔ فاصلہ ستر میل کا
تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ سفر میں انہیں دو دن لگ جائیں گے
اُس نے یہ دور دو جولین اباب، میں گزارے اور جہاز کے
پُرزے اُٹک کر کے صاف کیے اور پھر باہم جوڑے۔ دوسرے
دن بھی وہ آرام کی نیند نہ سو سکا؛ تاہم اُس نے خواب آور نگیہ
کھانے سے گریز کیا۔ اگلے دو گیارہ بجے اُس نے اڑن مشین
فضائیں بند کی اور دو پہر کو وہ براٹالڈ کے علاقے پر اڑ رہا تھا۔
موٹر بوٹ ایک کھاڑی کے ساحل پر لنگر انداز تھی۔ وہ آہستہ
کے ایک مقام پر اڑ گیا۔ موٹر بوٹ، جہاز کو کھینچ کر کھاڑی میں
لے آئی اور اُس کے فلوٹ بڑی حفاظت سے ریت پر آئی۔
ڈان لاک وڈ نے کہا: ”کل رات ہم نے یہاں سے

رہے اور پھر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ تب آہیکو نے ڈینش زبان میں تیز تیز کچھ کہا جسے راس نے سمجھ سکا۔ اُس نے ایکس سے پوچھا، ”یہ آدمی کیا کہہ رہا ہے؟“

”میں بھی پوری طرح سمجھ نہیں پاتی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس جگہ کیپ نہیں لگانا چاہتے۔“ ایکس نے جواب دیا۔ راس، آہیکو کو ہانڈو سے پکڑے، اُس ہموار میدان میں لے گیا جہاں پُرانی بستی کی بنیادوں کے آثار موجود تھے۔ ”یہاں کیپ لگاؤ؟“ اُس نے کہا۔

”ایکھو نے انکار میں سر ہلایا اور کچھ کہا۔ ایکس فوراً بالکل گمراہ رہے یہاں کیپ لگانا چاہنا نہیں رہے گا۔“ راس نے کہا، ”میں ایکس! اس سے پوچھیے یہاں کیپ لگانا کیوں اچھا نہیں؟“

ایکس نے ڈینش میں آہیکو سے سوال کیا اور اُس کا جواب سن کر کہا، ”میں صرف اتنا سمجھ سکتی ہوں کہ اس جگہ رات کے وقت کیپ نہیں لگانا چاہیے۔“

”اس سے پوچھیے رات کے وقت کیوں نہیں؟“ ”کیونکہ یہ کہہ دینے پر لوگ پتہ نہیں کرتے۔“ ایکس نے آہیکو کا جواب سن کر کہا۔

راس نے سوچا یہ کام پہلے ہی کونسا آسان تھا کہ اس میں ایک اور بیچ پڑ گیا۔ اتنا ہم اُس نے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا، ”میں ایکس! انہیں بتا دینے پر پانے لوگوں کا زور ہم پر نہیں چل سکتا۔ ہم اُن سے زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم ہوا میں اڑ سکتے ہیں۔“

ایکس نے کہا، ”میں راس! مجھے یہ بات سمجھانے کے لیے ڈکٹری استعمال کرنی پڑے گی۔“ ڈکٹری سی کاوش کے بعد ایکس یہ خیال آہیکوؤں تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکی۔ اُن کے ساتھ ہی لے ہوا کہ وہ اپنا چہرہ پہاڑی کے دوسری طرف لگائیں، اسارا دن یہاں کام کریں اور سہ شام اپنے خیمے میں لوٹ جائیں۔ پہاڑی کے دوسری طرف میٹھا پانی ملنے کا امکان کم ہی تھا اور اُدھر کھاڑی کی تسہریت کے بجائے سخت چٹان

سے بنی تھی جہاں جہاز محفوظ کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ آہیکوؤں کی مدد سے انہوں نے ندی کنارے، بستی کے کندروں میں دو خیمے نصب کر لیے۔ پتھروں سے چولہا تیار کیا اور سونے جھاڑھنکار سے اُس میں آگ جلائی۔ اس علاقے میں جو سب سے اونچا درخت تھا، وہ شکل سے چندرف تھا اور نہایت ٹیڑھا مینہا۔ پتھروں کے بعد لاک وڈ، برالڈ کے میدان کی طرف سے کوئل گیا۔ راس نے موٹر بوٹ سے چڑھ کر آہیکوؤں میں ترتیب سے رکھوائیں اور آہیکوؤں سے کیپ کے ارد گرد کی جھاریاں صاف کروائیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر پائلٹ، راس کھاڑی کی طرف گیا۔ اڑن مشین ساحل سے قریب کی ریت پر لگی ہوئی تھی۔ پانی وہاں سے خاصا پیچھے تھا۔ کھاڑی کے دہانے کی زمین میں لکڑیاں گاڑ کر آہیکوؤں نے جہاز اُن سے باندھ دیا کہ اگر ہوا چلے تو وہ محفوظ رہے۔ یہ کام کتے کتے خاصا اندھیرا چھا گیا۔

آہیکو اندھیرا ہونے سے پہلے ہی پہاڑی کے اُس پار اپنے کیپ میں جا چکے تھے۔ راس نے سکریٹ جلا یا اور کہا، ”میں حیران ہوں کہ آخر وہ کس بات پر غور فرم رہے ہیں۔“

”لاک وڈ نے کہا، یہ اپنی ہی روایات سے غور فرم رہے ہیں۔“

”کونسی روایات؟“ پائلٹ نے پوچھا۔

”خیمے کے اندر اگر پروفیسر لاک وڈ نے بتایا، یہ بستی ۹۸۰ء میں ناروے والوں نے آباد کی تھی چودھویں صدی میں یہ مڑہ ہو گئی۔“

”کیسے؟“ پائلٹ نے پوچھا۔

”نارس حکومت کی غفلت اور نظر اندازی کی وجہ سے... ناروے والے ہر سال یہاں ایک جہاز بھیجا کرتے تھے جو آبادکاروں کے لیے لگتا رہے، ہتھیار اور دوسرے ضروری اوزار لاتا تھا۔ اُن کے بدلے میں وہ یہاں سے قاقرا اور سور لے جاتے تھے۔ اس تجارت میں ناروے کو زیادہ منافع نہ ہوتا، چنانچہ جہاز کی آمد میں دیر ہونے لگی تھی کراستی برس تک کوئی جہاز یہاں نہ آیا جب اُنہی طویل مدت کے بعد نارس

حکومت کو اس بستی کا خیال آیا اور انہوں نے جہاز بھیجا تو یہاں کوئی نارس میں باقی نہ رہا تھا، صرف آہیکو موجود تھے۔“ پروفیسر لاک وڈ نے بتایا۔

”اُن کے ساتھ کیا ہوا؟“ پائلٹ نے پوچھا۔

”اتنی برس تک انہیں اپنے ملک سے کوئی مالدو نہ ملی تو وہ تہذیبی طور پر آہیکوؤں کے دست نگرین گئے اور آہستہ آہستہ اُن میں جذب ہو کر رہ گئے۔“ پروفیسر نے جواب دیا۔

”گلیا آہیکو اور دیریاک، واکنگنگنگ کے وارث اور جانشین ہیں۔“ پائلٹ نے آہیکو کے ہر جگہ

یہ جگہ کندروں سے پڑے۔ اس علاقے میں ہر جگہ بریاد شدہ مکانات کے آثار نظر آتے ہیں۔ جہاں ہم نے کیپ لگا پایا ہے، یہاں ایک بہت بڑے فارم کلر کرنی مکان تھا۔ اگر یہاں کھدائی کی جائے تو نیچے سے ٹوٹے ٹھوٹے مٹی کے برتن منور ملیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اگلے سال پھر آئیں اور یہاں کھدائی کریں۔ میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ ان کندروں کے نیچے آئرنلینڈ کی کھلی لسل کی بستی کے آثار موجود ہیں۔ انہوں نے رات کا کھانا کھایا۔ اُس عرض بلد پر اصلی اندھیرا بھی نہیں چھاتا، چنانچہ صرف اتنا ہوا کہ آسمان کا رنگ گہرا نیلا ہو گیا اور پہاڑیاں تیلوں کی مانند نظر آنے لگیں۔ سہری شدید ہو گئی۔ لاک وڈ اور ایکس خیمے کے اندر جا کر بستر تھیلوں میں دبک گئے، لیکن راس آگ کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ بار بار اُلٹ کر ساحل پر جاتا اور جہاز کا لنگر چیک کرتا۔ کھاڑی میں پانی بڑھ رہا تھا جب تک پانی اُتر جاتا اور جہاز ریت پر نہ جھتا، وہ سونہیں سکتا تھا۔ آدھی رات

پانی اُترا اور ہوائی جہاز کے فلٹس ریت پر ٹپک گئے تب راس خیمے میں آکر سو گیا۔ صبح دیر تک سوتا رہا تو پروفیسر نے اُسے کندھے سے ہلا کر جگایا۔ پائلٹ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا جسم کانپ رہا تھا۔ پروفیسر نے پوچھا، ”سٹر راس!

رات، نیند تو ابھی طرح آئی؟“

”میں نہایت خطرناک خواب دیکھتا رہا۔“ اُس نے

دیکھے لیجئے میں جواب دیا۔

”کس طرح کا خواب؟“ پروفیسر نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔ عجیب سا خواب۔۔۔ یاد آگیا۔ یہ خواب ایک کچھ کے متعلق تھا جو برخانی پہاڑ سے اُتر کر آیا اور اُس نے اُس دریا کی پتھر کے لاش پر حملہ کر دیا جسے میں نے شکار کیا تھا۔ وہ مجھ سے میرا شکار چھیننا چاہتا تھا۔۔۔ میں اُس سے لڑتا رہا۔۔۔ نہیں، لڑ رہا تھا۔۔۔ اور میرے ہاتھ میں بس چھوٹے دسٹے کا نیزہ تھا۔۔۔۔۔“

وہ کہتے کہتے ٹک گیا تو پروفیسر نے پوچھا، ”اس کے بعد کیا ہوا؟“

”کس کے بعد؟ سٹر! خواب اُس کے ذہن میں ابھی سے مدہم پڑ گیا تھا۔“

”جب تم نے کچھ سے لڑائی شروع کی۔“ لاک وڈ نے کہا۔

”کچھ یاد نہیں آ رہا۔ پھر میری شاید اکھ کھل گئی۔“

پائلٹ نے حقیر مار کر کہا۔

ایکس نے دیکھا کہ راس کا چہرہ بہت زرد اور تھکا تھکا سا تھا۔ انہوں نے ہوائی جہاز میں کیمرو اور فلیش رکھیں اور آہیکوؤں نے جہاز کو دھکا دے کر پانی میں اتار دیا۔ پھر ایک راس اور ایکس نے اُس علاقے کا فضائی سروے کیا۔ جب جہاز کھاڑی میں اُترا تو دونوں بہت تھک چکے تھے۔ لچ کے بعد وہ فلیش ڈولپ کرتے رہے۔ سہ پہر کی چائے پیتے وقت ایکس نے پوچھا، ”پورا کام ختم ہونے میں اور کتنے دن لگیں گے؟“

”یہی پانچ چھ دن، بشرطیکہ موسم ٹھیک رہے۔“ راس نے کہا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ کھاڑی کا پانی کب اُترے اور ہوائی جہاز ریت پر ٹپک کر محفوظ ہو جائے۔

ایکس نے کہا، ”راس! ہمیں نیند کی ضرورت ہے۔“

پاپا اور میں جہاز کی نگہداشت کریں گے۔ تم سو کیوں نہیں جانتے؟
 ”بس ایکس! یہ میرا کام ہے اور میں ہی اسے اچھی
 طرح سرانجام دے سکتا ہوں۔“ اس نے خستہ سے
 کہا اور ایکس نے منہ نکالیا۔ گیارہ بجے شب تک پروفیسر
 اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا پھر غصے میں جا کر سو رہا۔ اس
 رات وہ بہت کم سویا۔
 اگلے دن ایکس نے اس کی نو آہیں کو سونے پوچھا: ”تم
 یہاں کیوں نہیں سوتے؟“
 ”یہ جگہ رات کو سونے کے لیے بہت بُری ہے۔ آدمی
 بیمار پڑ جاتا ہے۔“ اس کی مٹھی نے جواب دیا۔
 ”لیکن ہم میں سے تو کوئی بیمار نہیں ہوا۔“ ایکس
 نے کہا۔

”تم میں سے ایک آدمی بیمار ہے۔ کیا سٹر اس بیمار
 نہیں؟ یہ جگہ کمپ کے لیے اچھی نہیں۔“ آجیگو نے جواب دیا۔
 اس رات کھڑی میں پانی بہت دیر سے اترنا اور کہیں
 ساڑھے تین بجے اُڑن مشین کے فلوٹ ریت پر ٹپک سکے۔
 نیند نہ آئی تو اسے خواب اور بیکہ کھانی پڑی۔ اس کے زیر اثر
 ایک گھنٹے تک وہ گہری نیند سوتا رہا۔ پھر اچانک اس کی آنکھ
 کھل گئی۔ وہ کُسنی کے بل اٹھ کر بیڈ گیا۔ سروی کے باوجود اس
 کے جسم پر پسینے کی نمی تھی۔ اس نے ایک ٹیکہ اور کھانی اور
 پھر سو گیا۔ صبح دیر تک وہ سوتا رہا تو پروفیسر لاک ڈوٹ نے بازو
 سے ہلا کر اسے جگانا چاہا۔ وہ اپنی جگہ ذرا سہی نہ ہلا تو پروفیسر
 پریشان ہو گیا۔ اس نے ایکس کو بلا دیا۔ پانکٹ اپنے بستر
 تھیلے میں بیڈ کے بل سویا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں
 اور چہرے کا رنگ کورسے کاغذ کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔
 سانس چل رہا تھا، لیکن بڑے دم انداز میں۔ سر دانی میں بیگے
 اسفنج سے چہرہ صاف کرنے کے باوجود وہ نہ جاگا، تو پروفیسر
 نے کہا: ”انتہائی شدید تھکاوٹ کے باعث اس کی یہ
 حالت ہوئی ہے۔“

”نہیں پاپا! اس کا سبب خواب اور ٹیکیاں ہیں۔“

ایکس بولی۔
 پروفیسر نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو ٹیکوں کی
 بوتل مل گئی۔
 اس نے کہا: ”اسے ہوش میں آنے پر کسی ڈاکٹر کو کھانا
 پڑے گا۔“
 آجیگو اور میرا یک غصے کے اندر جھانکنے لگے۔ ایکس
 نے باہر نکل کر پوچھا: ”کیا بات ہے؟ آجیگو!“
 ”کیا راس بیمار ہے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”نہیں تو۔۔۔“ ایکس نے کہا۔
 ”میرا کہنے پر اس نے خوفزدہ لہجے میں آجیگو سے اس کی
 زبان میں کچھ کہا اور پھر سر پٹ بھاگ اٹھا۔
 ”بے وقوف آدمی ڈر کر بھاگ نکلا۔“ آجیگو کو یہ کہہ کر غصے
 کے باہر اُڑوں بیٹھ گیا۔
 لاک ڈوٹ نے ایکس کے توسط سے پوچھا: ”تم تو نہیں
 بھاگ جاؤ گے؟“

آجیگو نے بڑے خوفزدہ لہجے میں کچھ جواب دیا تو ایکس
 نے کہا: ”پاپا! یہ آدمی کہہ رہا ہے کہ میں نہیں بھاگوں گا،
 لیکن شرط یہ ہے کہ یہاں سے کمپ اٹھایا جائے۔“
 پروفیسر نے اس مسئلے پر کچھ دیر غور کیا۔ کمپ کے
 لیے تو یہی جگہ مَن سب تھی؛ تاہم وہ آجیگو کی خدمات سے
 محروم نہیں ہونا چاہتا تھا؛ چنانچہ اس نے ایکس کی زبانی
 کہلویا: ”ہم یہاں دوپہر تک انتظار کریں گے۔ راس کو
 ہوش آگیا، تو ہمیں قیام کریں گے، ورنہ دوپہر کے بعد ہمارا
 کمپ میں چلے جائیں گے۔“
 جواب میں اس نے مسکرا کر کچھ کہا۔ ایکس نے کہا: اگر
 میں صبح سو بھجی ہوں تو یہ آدمی ایک عجیب بات کہہ رہا ہے
 کہ سٹر اس اُن لوگوں کے ساتھ سفر پر چلے گئے ہیں جو یہاں
 رہا کرتے تھے۔“

پروفیسر لاک ڈوٹ بہت تیراں ہوا۔ دوپہر کے بعد بھی
 راس کی حالت درست نہ ہوئی تو اس نے آجیگو سے کہا کہ

اسٹر پھر تیار کرو۔ اسٹر پھر بن چکا تو وہ موٹر بوٹ کھڑی کے
 ساحل تک لے آیا۔ آجیگو اور پروفیسر نے بستی تھیلے سمیت
 راس کو اسٹر پھر پر لٹایا اور موٹر بوٹ میں لا دیا۔ آدھ گھنٹے
 بعد اسٹر پھر اس کی مٹھی کے باہر پڑا تھا اور آجیگو غصے کے اندر
 فرش پر نایاک بوٹی بکھیرے بیٹھا تھا۔ تب اس نے ٹھکی ہوئی
 ہتھیلی پر رکھ کر مل اور اسے اسٹر پھر پر چھڑک دیا۔
 ”پاپا! یہ آدمی کیا کر رہا ہے؟“ ایکس نے پوچھا۔
 ”یہ تو نا کر رہا ہے۔ یہ بوٹی جھگی لسن ہے۔ ان کا عقیدہ
 ہے کہ اس کی بو سے ڈر کر بدرویں غصے کے اندر نہیں آتیں۔“

آخر اسٹر پھر غصے کے اندر لا گیا۔ آدھ کا سامان ادھر
 منتقل کرنے میں شام ہو گئی۔ پروفیسر نے آجیگو کی مدد سے
 جہاز کھڑی میں لنگر انداز کر دیا۔ آجیگو نے کہا: ”یہ آدمی کل صبح
 تک سفر سے نہیں لوٹے گا۔“ اس نے سچ کہا تھا۔ راس رات
 پھر غشی کی حالت میں مبتلا رہا۔ اگلے دن دوپہر کو ایکس نے
 اس کے چہرے پر سرد اسفنج پھیرا تو اس کا اکڑا ہوا جسم ہلا اور
 اس نے آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ کُسنی کے بل اٹھ کر اس
 نے ایکس کے چہرے پر نظر پڑا اور اسے پہچانے پر
 بڑی شہیدگی سے اس کے ساتھ ہکلام ہوا: ”میرا خیال ہے کہ
 یہ ملک اچھا ہے۔ گرین لینڈ سے بھی اچھا۔ میں لیفٹ سے
 کون کا کہہ رہا ہوں یہاں قیام کرنے کی اجازت دے دے
 اور خود جہاز واپس لے جائے۔ ہمارے ہاں جو پتے پیدا
 ہوں گے، اُن کے لیے یہ سرزمین بہت مبارک ثابت
 ہوگی۔“

ایکس ایک دو تانیوں کے لیے تو دم بخود رہ گئی، پھر
 اس نے کہا: ”سٹر اس اجاگے۔ معلوم ہوتا ہے آپ ابھی تک
 سو رہے ہیں۔“
 راس نے غصے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے کہا: ”تم کہہ رہی
 ہو کہ میں سو رہا تھا؟“

”پچھلے چھتیس گھنٹوں سے۔“ ایکس نے کہا۔
 ”تمہارا مطلب ہے تین ہفتوں سے؟“ اس نے پوچھا۔

- اس کا خاندان شکست پر شکست کھا رہا تھا۔
- وہ صرف دس جانشینوں کے ساتھ ڈرامائی انداز میں آگے بڑھا۔
- اور
- اس نے ایک عظیم الشان مملکت کی مضبوط بنیادیں رکھ دیں۔

اتحاد جزیرۃ العرب

سلطنت سعودیہ کے بانی
 سلطان عبدالعزیز ابن سعود
 ولولہ انگیز شخصیت اور تاریخ ساز کارنامے
 یہ عظیم کتاب
 ابن سعود کے سفر و حضر کے ساتھ محمد المانع
 نے تصنیف کی ہے اور جناب رشید ملک نے
 اسے سلیس اردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ جزیرہ نمائے
 عرب کی جدید تاریخ و ثقافت کا حسین اور معلومات
 افزا مرقع ہے اور اس میں جان فہم اور تیل کی کمائی
 کا دلچسپ تذکرہ بھی ہے۔

صفحہ: ۴۳۸ آفست: کاغذ

قیمت: ۵۰ روپے

تقریر کنندہ

مکتبہ اُردو ڈائجسٹ سمن آباد، لاہور

مس لاک وڈیران ہو کر اس کے چہرے کی طرف بکھنے لگی تو اس نے پوچھا: "آپ مس ایکس ہیں؟" اس کے الفاظ سے ایویسی نپک رہی تھی۔ ایکس نے اثبات میں سر ہلادیا۔ دو روز اور ٹھہرنے کے بعد پروفیسر نے فیصلہ کیا کہ انہیں جو لین اب، لوٹ جانا چاہیے، کیونکہ فضائی سفر سے مکمل ہو چکا تھا۔ پائلٹ اس اب بھی اس قابل تھا کہ جہاز اڑا کر جو لین اب پہنچ سکے۔ پروفیسر نے موٹر لوٹ میں سفر کا انتخاب کیا اور ایکس نے ہوائی جہاز میں پائلٹ کی نگرانی اپنے فٹے لی۔

ایک گھنٹے کی پرواز کے بعد وہ جو لین اب پہنچ گئے۔ وہاں کے ڈاکٹر نے اس کا طبی معائنہ کرنے کے بعد کہا: تمہیں تین دن تک بستر میں رہنا ہو گا۔ اس نے ڈاکٹر کا یہ فیصلہ بادل خواستہ قبول کیا: "تاہم اُسے نیند نہ آئی۔ آٹھ بجے شام پروفیسر لاک وڈ بھی جو لین اب پہنچ گیا اور اس نے اپنا بستر پائلٹ کے کمرے میں لگالیا۔ رات کے ایک بجے پروفیسر کی آنکھ کھل گئی تو اس نے دیکھا کہ اس جاگ رہا ہے۔ اُس نے اٹھ کر اسٹووبلایا اور اوٹھین کے دو کپ تیار کیے۔ ایک پیالی پائلٹ کو دیتے ہوئے اُس نے پوچھا: "مسٹر اس! یہ لیفٹ کون ہے؟" کمرے کے دوسرے حصے میں ایکس بھی جاگ رہی تھی۔

"آپ کیوں پوچھتے ہیں؟" اس نے استفسار کیا۔ "جب تم بیمار تھے تو جانے پر تم نے لیفٹ کے متعلق کچھ کہا تھا۔" پروفیسر بولا۔ اس کچھ دیر خاموش رہا، پھر اُس نے کہا: "میں اس وقت ایک عجیب و غریب خواب دیکھ رہا تھا۔ اس خواب میں لیفٹ کا کردار بہت اہم تھا۔"

"یہ لیفٹ کس قسم کا آدمی تھا؟" پروفیسر نے پوچھا۔ "نہایت خوبصورت نوجوان، شہباز جسم، زرد بال، لیلیت میں نرمی اور محبت۔ چاہوں تو اُس کی تصویر کھینچ سکتا ہوں۔" پائلٹ کے بیان میں ایک جذباتی جوش و خروش تھا۔ "یہ آدمی کہاں کا رہنے والا تھا؟"

"یہ خواب بھی عجیب ہوتے ہیں، مسٹر اس! اس نے جواب دیا۔ حقیقت اور افسانہ آپس میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ انہیں جدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ تیری کناس، کھاڑی کے نزدیک، اس جگہ رہتا تھا جہاں ہم نے کیمپ لگایا تھا۔"

"کیا وہ ہماری طرح عیسے میں رہتا تھا؟"

"نہیں، ایک مکان میں۔ وہ کھنڈر جہاں آپ کھدائی کر رہے ہیں، وہاں پتھر سے بنے چھوٹے چھوٹے بہت سے مکان تھے جن کی چھت لکڑی اور گھاس پھوس کی بنائی گئی تھی۔ اس بستی کے ارد گرد کھیتیاں تھیں اور گائیں اور بھری دہلی چر رہی تھیں۔"

"کیا تمہیں یاد ہے کہ تم کون تھے؟" پروفیسر نے پوچھا۔ "یاد ہے۔ میں لیفٹ کا غلام تھا اور میرا نام بکٹی تھا۔" پائلٹ نے بڑے یقین سے کہا۔

پروفیسر لاک وڈ نے بڑی نرمی سے درخواست کی: "کیا تم پورا خواب سناؤ گے؟"

"مزدور... بول بھی مجھے نیند نہیں آرہی۔ اس طرح یہ رات کٹ جائے گی۔" پائلٹ نے کہا۔

ہلکی سی چوٹی دیوار کے پیچھے ایکس بھی اُن کی باتیں سن رہی تھی اور اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سی حیرت تھی۔ (جاری ہے) ✽

حضرت انس بن حنفیہ روایت بیان کرتے ہیں کہ انصار مدینہ میں سے ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ نے فلاں کو کھلم مقرر فرمادیا اور مجھے محروم کیا۔ آپؐ نے جواب دیا: میرے بعد تم دیکھو گے کہ لوگ حضورؐ کی اور اقتدار حاصل کرنے میں پیش پیش ہوں گے، لہذا تم میری مرضی کہ مجھ سے عرض کو تہرہ آملو۔"

کے ہوائی اڈے دس بج رہے تھے۔ لیفٹ کی طرف گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں داخل ہو چکے ہیں، اور پھر اندر ہی اندر گزراں کا ڈنکر کے سامنے پہنچ گئے۔ ہوائی اڈے اور شہر سے تقریباً تیس کلومیٹر دور تھے۔ نیون سائن لگے تھے جن پر عوام حکومت اور عوام کی سر بلندی وغیرہ کے تھے۔ اندازہ ہوا کہ جہاں واقع ایک سوشل گئے ہیں۔ اُس پرواز سے جو لوگ اترے تھے۔ قطار میں کھڑے ہوتے ہی ایک لکڑی کی سپورٹ دیکھے۔ وہ بس ہم دوپا کر لے کر کہیں ادھر ادھر غائب ہو گیا۔ ہم بھی اس پندرہ منٹ بعد واپس آکر اُس کے گرد بیٹھے۔ دراصل وہ یہ دیکھنے گیا تھا کہ ہوائی اڈے پر سے فارغ ہو کر سامان ایک غیر مزدور دست مخصوص صلیق ہمارے آتے۔ انہوں نے پوچھے ہی سوال کیا: "زیر بار بار ہے، اُسے دیکھ کر کیا ہے؟" ہم سے پوچھا ہی نہیں اور نہ ہمیں اس کا مزوری ہے۔ تب اُس نے بتایا کہ ان کے قواعد بہت سخت ہیں۔ کوئی شخص اگر لے آئے تو اُسے کسی بینک سے تھانک کر اُس نے ایئر پورٹ پر اُسے لے کے لیے جو غیر ملکی آئے ہوئے ہیں، اس سے زیادہ دن نہیں بھیج سکتے۔ اس کا اختیار کیا گیا ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ لازم ہے کہ کسی کو تنخواہ نقد نہیں ملتی، بلکہ ٹرانسفر ہو جاتا ہے۔ وہاں سے اگر کسی چاہوں تو ہر ماہ انکم ٹیکس والوں سے

میں گے۔ مارے ڈاکٹروں سے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے

میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے

میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے

میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے
میں گے۔ ہمیں نے موت کے



ماضی کے قیدی

دوسری اور آخری قسط

طیارے کا پائلٹ ایک ایسے تجربے سے دوچار ہوا جو
صدیوں پرانے واقعات کے ساتھ مل کر بڑا ہی پراسرار اور طلسم آرا بن گیا

تلفیص: غلام انصاری نقوی

بجرت تھا جھانپوں کے سوا وہاں کچھ نہ لگتا تھا۔ اُن کے پاس پتہ نہیں
تھیں اور ایک کشتی جس کے ذریعے وہ چھلیاں پکڑتے تھے۔ اُس دن
وہ کشتی میں بیٹھا چھلیاں پکڑ رہا تھا۔ واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ ایک
بہت بڑا جہاز اُس کے گھر کے سامنے سمندر میں کھڑا ہے۔ اُس کی لمبائی
سو فٹ ہے۔ اُسے جو طراح چلا رہے ہیں، وہ دیوانہ وار معلوم ہوتے ہیں۔

ڈانڈراس نے بتایا کہ وہ خانہ زار
غلام نہیں تھا۔ اُس نے خواب
میں وہ جھونپڑی کئی بار دیکھی تھی جس میں وہ اپنے والدین اور چچا بولا
کے ساتھ رہتا تھا۔ سمندر کے کنارے یہ چھروں اور گھاس پھوس
کی جی جوتی ایک ان گھڑتی سی پناہ گاہ تھی جس کے ارد گرد علاقہ

پائلٹ

زور دے لے مال اور زور ڈالو جیساں اُس کے مال باپ اور بھائی سر پر پاؤں لٹک کر بھاگ رہے تھے اور کچھ ملاح اُن کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ بہاڑیوں پر چڑھ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے تو پیچھا کرنے والے پلٹ گئے۔ وہ مطمئن سا ہو گیا تب اُس نے دیکھا کہ چند ملاح اُن کی پیڑوں کو باؤںک کر ساحل کی طرف لارہے ہیں اور کچھ اُنہیں پکڑ کر جہاز میں لاد رہے ہیں۔ اُس سے راہگیر وہ ایک لاشی اتھار میں لے کر جہاز کی طرف دوڑا۔ اُس نے ایک ملاح کو لاشی کی ضرب لگائی۔ اُس دیو تیل ملاح نے بڑی آسانی سے بازو موڑ کر لاشی اُس کے ہاتھ سے چھین لی اور چڑے کی پٹیوں سے ہاتھ باندھ کر اُسے چھوڑ دیں۔ اُسے پاس پھینک دیا۔ یہاں اور بھی کچھ لوگ اسی طرح بندھے پڑے تھے۔

جہاز کا بادبان چڑھا دیا گیا۔ اُس میں ہوا بھی توجہ ساز ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگانے کی قیلولہ کے ہاتھ پاؤں کھول کر انہیں غذا اور پانی پیش کیا گیا۔ اُس نے کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ قیدیوں میں ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام "ہیکبا" تھا۔ وہ بھی کھانے پینے سے انکار کر رہی تھی۔ اگرچہ اُس نے لڑکی سے کوئی بات چیت نہ کی لیکن اُس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ قید کو قبول نہیں کر سکی اور زار ساجی موقع پر تو بھاگ نکلے گی۔ دو تین دن مسلسل سفر کے بعد جہاز ایک مقام پر رُکا۔ اُس نے لڑکی کے انگوٹھے کو پاؤں سے چھوا اور ساحل کی طرف دیکھا۔ وہ اُس کا اشارہ سمجھ گئی۔ جو مٹی جہاز کا پینہ و ریت سے گھرا یا، وہ گھلی کی طرح جہاز کے پہلو سے گھسے اور گھلی ریت پر سے دوڑتے ہوئے ساحل تک پہنچے۔ اُنہیں بے ملاح اپنے بھاری آونی پٹروں کی وجہ سے اُن کی رفتار کا مقابلہ نہ کر سکے، اچانچ وہ ملاح ایک میل تک اُن کا پیچھا کر کے واپس چلے آئے۔

"اگر یہ دونوں تیز رفتار غلام بھاگ نہ جلتے تو ہم انہیں بادشاہ کے حضور پیش کرتے۔" ایک آدمی نے کہا۔

خاصی زور جاکر اُنہیں جب محفوظ ہونے کا احساس ہوا تو وہ دُک گئے۔

لڑکی نے پوچھا: "تم رانا کیا ہے؟"

"ہیکبا" اُس نے جواب دیا۔

سائنس بجال کرنے کے بعد وہ چہرہ چل پڑے۔ وہ ایک ویران، بخر اور خراب آباد جزیرے میں تھے۔ اُنہیں بہت جھوک لگ رہی تھی۔ دور ساحل پر اُنہیں دھواں بندھتا دکھائی دیا۔ "ملاح آگ پر گوشت بھجوں رہے ہیں۔" اُنہوں نے سوچا اور اُن کی بھوک اور بھی بچک اُٹھی۔ رات اُنہوں نے ایک غار میں گڑبڑی اتنی سخت سرودی تھی کہ سمجھ اُن کے جسم اُڑنے پڑے اور ہاتھ پاؤں اُٹھ گئے۔ اُنہیں آگ کی گرمی سے تھپی نہ کھانے کی کوئی چیز۔ پہاڑ کی چوٹی سے اُنہوں نے ساحل کی طرف دیکھا۔ وہاں آگ سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور جہاز بھی ٹھک ٹھک والی جگہ لنگر انداز تھا۔

ہیکبا نے کہا: "یہ جزیرہ مجھ سے نہیں ملے گا۔ بہتر ہے ہم واپس جہاز پر چلے جائیں۔"

"نہیں! میں نہیں جاؤں گی۔" لڑکی نے مایوس آواز میں کہا۔

"ہیں جانا پڑے گا۔ نہ گئے تو ہم جانیں گے۔" ہیکبا نے جواب دیا۔ وہ بہاڑی سے اُنکر آہستہ آہستہ جہاز کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک ملاح بچے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ کھڑے پر جھپٹ پڑے۔ ملاح اُن کے ساتھ بڑی مہربانی سے بیٹھ آئے۔ دو دن بعد وہ ناروے میں تھے۔ اُنہیں ایک لڑکی فام پر روشنی چرائے کا کام دیا گیا۔ یہاں بھٹکنے والے میوئیں کچھ بھاگ بھاگ کر اُنہیں دوڑنے کی اتنی مشق ہو گئی کہ وہ چالیس چالیس میل کا فاصلہ طے کر جاتے اور اُن کا سانس نہ چڑھتا۔

آٹھ نو ماہ بعد اُنہیں ناروے کے بادشاہ ادا لٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ آدمی جو اُنہیں دربار میں لے کر گیا تھا بولا: "بادشاہ سلامت! یہ ہیں وہ غلام جو دوڑ لگانے میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔"

بادشاہ ادا لٹ نے پوچھا: "تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟" خوف کے مارے اُن کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ آدمی بولا: "یہ لوگ سکاٹ لینڈ کے رہنے والے ہیں۔" بادشاہ نے اپنے ایک درباری کی طرف متوجہ ہوئے ہوئے کہا: "لیف! میں یہ لڑکی اور یہ لڑکا تمہیں

بخشتا ہوں۔ اُنہیں اپنی نو بادی میں لے جاؤ۔"

اُس کے بعد اُنہیں اسٹبل میں رہنے کو جگہ ملی۔ یہاں اُنہیں دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ جمع ہوجاتے اور اُن کے لباس اور وضع قطع پر قہقہے لگتے۔ ایک دن اُن کا مالک لیف اُنہیں دیکھنے آیا۔ اُس نے اُن سے خبر پت پوچھی تو ہیکبا نے کہا: "لارڈ! ہم یہاں نہیں رہنا چاہتے۔ لوگ آتے ہیں اور ہمیں دیکھ کر قہقہے لگاتے ہیں۔" ایک ماہ بعد اُنہیں جہاز میں سوار کیا گیا۔ یہ جہاز پہلے جہاز سے بھی بڑا تھا۔ اس میں وہ گرین لینڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ کئی جزیروں پر رُکے۔ برف کے قودوں میں سے جہاز گزارنے کا خطرہ دونوں کو عیب لگا۔ آخر وہ اُس کھاڑی پر آگئے جس کے ساحل پر ناروے کے لوگوں نے اپنا میوئیں فام قائم کر رکھا تھا۔ فام کے لوگ دوڑتے ہوئے اُن کے استقبال کو آئے۔ ہیکبا اور ہیکبا میوئیں کی دیکھ بھال پر مامور ہوئے۔ دوسرا کام یہ یہ رہا کہ وہ مختلف نوآبادیوں کے درمیان قاصد کے فرائض ادا کریں گے۔ وہ اس فام پر دو سال تک رہے۔

۱۱۱

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا، وہ پائلٹ راس کے خوابوں کے سفر کا پس منظر تھا۔ ایک روز وہ چارگاہ سے واپس لوٹا کہ فام میں لارڈ تھا کہ اُسے شکر کر ملا۔ یہ ایک بوڑھا جرن تھا جو لیف کے باپ ایرک کا غلام تھا اور اب آزاد تھا۔ لیف اُس کا بہت احترام کرتا تھا۔ اُس نے کہا: "ہیکبا! تمہیں لیف بلارہا ہے۔"

آبادی کے سب سے بڑے گھر میں لیف ایک اسٹول پر بیٹھا تھا۔ اُس نے ہیکبا کو دیکھتے ہی کہا: "ہیکبا! کیا تم نے سنا ہے کہ بھائی نے اپنے سفر کے دوران یہاں سے مغرب کی طرف ایک ایسا ملک دیکھا ہے جہاں بڑے بڑے درخت آگے ہیں جو مکاؤں کی تعمیر میں کام آسکتے ہیں۔"

"لارڈ! میں نے یہ کہانی سنی ہے۔" ہیکبا نے جواب دیا۔ بھارتی، اُس لینڈ سے گرین لینڈ آتے ہوئے رستہ بھول گیا اور اُس کا جہاز اُس سرسبز ساحل پر جا لگا جہاں اُوچے اُوچے قہاؤر درخت تھے۔ لیف ناراض تھا کہ بھائی وہاں سے درخت کاٹ

کر کیوں نہ لایا۔ گرین لینڈ میں عمارتی لکڑی کی بڑی قلت تھی۔ اب وہ بھارتی کے جہاز میں سوار ہو کر وہ ملک دریافت کرنے کی فکر میں تھا اور ہیکبا اور ہیکبا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ "ہم ساحل پر ڈیڑے ڈالیں گے اور تم دونوں اندرون ملک کی حالت معلوم کرنے کے لیے دوڑ لگا کر دو گے۔ کیا تم اس خطرناک سفر میں ہمارا ساتھ دو گے؟" یہاں واپس پہنچ کر میں تم دونوں کو آزاد کر دوں گا۔"

ہیکبا کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ "لارڈ! اس انعام کا آپ مجھ سے وعدہ نہ بھی کرتے تو بھی میں اس سفر سے محروم نہ رہتا۔ میں تو آپ کے پیچھے پیچھے دوڑ میں بھی جانے کو تیار ہوں۔" اُس نے بڑے جوش سے جواب دیا۔

لیف مسکرایا۔ پھر اُس نے کہا: "ایک بات اور بھی ہے۔ تمہیں سفر پر جانے سے پہلے ہیکبا کے ساتھ تنگی کرنا پڑے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک غیر منسوب لڑکی کے لیے میرے ملاح آپس میں کٹ مریں۔ کیا تم اُس سے بھرت کرتے ہو؟"

ہیکبا نے شرارتے ہوئے کہا: "ہیکبا ایسی باتیں پسند نہیں کرتی۔ لیف نے ایک زوردار قہقہہ لگایا: "ہیکبا! تم مارے ساتھ منگنی کرنا ہوگی۔ میں اُس سے بات کروں گا لیکن پہلے تم اُس کے پاس جاؤ۔"

ہیکبا اُس کی تلاش میں لگلا۔ ہیکبا اُسے گھاس کا گٹھا بانٹتے ہوئے ملی۔ اُس نے اُسے لیف کی پیشکش کے متعلق بتایا۔ ہیکبا کی بڑی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ہے کیا؟" اُس نے کہا۔ "دیکھو ہیکبا! جہاز پر ہم دونوں کو جلنے کی اجازت صرف اس صورت میں ملے گی کہ تم مجھ سے منگنی کرو۔" ہیکبا نے شرمناک کہا۔ "سفر سے واپس آکر تم منگنی تو دیکھتی ہو۔"

"میں ابھی کسی سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی ہیکبا! لیکن ہم ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم کے ہیں۔ میں تمہیں ان لوگوں پر ترجیح دوں گی۔"

سفر کی تیاریاں زور زور سے جاری تھیں۔ بھارتی کے جہاز کے کئی حصے بدلے گئے۔ تب اُسے گیلیوں کی مدد سے دھکیل کر

میرے پانی میں آنا لگا اور آبادی میں سے تیس ایسے آدمی سفر کے لیے نکلے جو بہترین ملاح بھی تھے اور بہترین سپاہی بھی جہز میں لائے۔ کمر بھی دانا اور تجربے کاری کی بنا پر سفین میں شامل کر لیا گیا۔ ایک گرم گرم چمکیلی صبح کو ان کے سفر کا آغاز ہوا۔ یہی جہز اور بہتیا نے اپنے سفری فیصلے جہاز پر رکھے ہی تھے کہ لیفٹ نے اونچی گھبراہٹ سے کہا: "بہتیا اور بہتیا! ادھر آؤ۔" لیفٹ ساحل پر کھڑا تھا۔ دونوں اُس کے پاس پہنچے تو اُس نے گھر کے کہا: "سب لوگ خاموش ہو کر میری بات سنیں۔ میں بہتیا اور بہتیا کی منگنی کر رہا ہوں اور ان کی منگنی میں مجھے گواہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد اگر کسی کو اس فیصلے سے اختلاف ہو، تو اُسے میرے مقابلے میں آنا ہوگا اور تم سب کو معلوم ہے کہ میں اپنا عہد کس طرح نبھاتا ہوں۔ اب اپنے اپنے کام میں لگ جاؤ!"

کچھ ہی دیر بعد جہاز چٹپوٹ کی مدد سے گھٹے سمندر میں پہنچ گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور جہاز ساحل کے متوازی سفر پر روانہ ہو گیا۔ ان کے پاس کپاس نہیں تھی۔ وہ اپنی سمت کا تعین دن کے وقت سورج اور رات کو ستاروں کی مدد سے کرتے۔ کچھ دن کی مشقت کے بعد وہ بیشکی کے ایک قطعے تک جا پہنچے جو خمر اور سنگلاخ تھا اور دو برف پوش پہاڑیوں کے دان میں جا کر جم رہا تھا۔ اس قطعہ زمین کے متوازی وہ جنوب کی طرف چلتے رہے۔ تیسرے دن انہوں نے دیکھا کہ زمین کی شکل و صورت بدل گئی ہے۔ یہ قطعہ زمین جنگل سے پر اور برف پوش پہاڑوں سے غماخی تھا۔ ہوا کے ٹک جملنے سے انہیں ساحل کے قریب لنگر انداز ہونا پڑا۔

"یہ جگہ بہتر ہے لیکن جب تک ہم اپنی سیاحت مکمل نہیں کر لیتے، اُس وقت تک ہم نہیں نکلیں گے۔" جہاز کے کپتان لیفٹ نے کہا۔ اگلے دن اوائی پہاڑوں سے ساحل سے دور گھٹے سمندر میں آگئے۔ کئی دن تک انہیں منگنی نظر نہ آئی۔ ہوا سارا کام خور کر رہی تھی ملاح آرام کر رہے تھے۔ ٹوڑھا جہز ٹانگر فارغ تھا۔ وقت کی گئی کہ اُس نے ہتھوڑی اور چھینی لی اور ایک چھری پر کچھ نقش کندہ کرنے شروع کیے جو تختہ جہاز پر لکھا ہوا تھا۔

بہتیا نے پوچھا: "بابا! تم کیا کر رہے ہو؟"

لیفٹ نے کندہ کیے ہیں۔

بوتے سے جہز میں کہا: "ناروے میں مجھے پتھر پر لفظ کندہ کرنا سکھایا گیا تھا۔ جو لوگ ہمارے بعد آئیں گے، وہ انہیں پڑھ سکیں گے۔"

"اس سے کیا فائدہ؟ بابا! ہمیں سے تو کوئی ان لفظوں کو پڑھنا نہیں جانتا۔" بہتیا نے کہا۔

"میں تو صرف اپنی مشق کے لیے کندہ رہا ہوں۔ یوں لیفٹ یہ فن مجھ سے بہتر جانتا ہے۔" ٹانگر وضاحت کر رہا تھا۔

ٹوڑھا جہز میں ہونے انہماک سے پتھر پر الفاظ کندہ کرتا رہا۔ دس پندرہ منٹ بعد اُس نے پتھر تک مار کر پتھر کو صاف کیا اور ایک کپڑے سے اُسے پونچھتے ہوئے کہا:

"بہتیا! ان لفظوں کو دیکھو۔ میں نے ان میں تمہارا نام محفوظ کر دیا ہے۔"

بہتیا نے ان پر انگلی پھیری۔ لفظ نہایت خوبصورتی سے بہت گہرے کندہ ہوئے تھے:

* + ۲ ۱ *

"یہ تو عجیب بات ہے! ہمارے بعد کوئی دانا آدمی ان لفظوں کو پڑھ سکا تو اُس کی زبان پر غرور و خود میرا نام آجائے گا۔"

بہتیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ملاح پتھر کے گرد جمع ہو گئے۔ لیفٹ بھی وہاں آ گیا۔ لیفٹ نے پتھر کو دیکھتے ہوئے کہا: "بابا! لفظ بڑی نفاست سے کندہ ہوئے ہیں۔ ذرا آہستہ سے دیکھو تو مجھے دینا۔" وہ پتھر کے پاس بیٹھ گیا اور پندرہ منٹ بعد اُس نے پتھر پر کچھ لفظ کندہ کیے اور کپڑے سے پتھر پونچھا تو یہ الفاظ ابھرے:

* M ۲ I X *

ٹانگر نے کہا: "لارڈ! یہ تو سچا کیا نام! کندہ ہوا ہے۔"

یہ لفظ زیادہ علی اور خوبصورت تھے۔

لوگ وہاں سے ملے تو بہتیا نے سچا کو بازو سے پکڑ لیا اور پتھر کے قریب لاتے ہوئے کہا:

"یہ نشان میرے نام کے ہیں، اور وہ تمہارے نام کے جو لیفٹ نے کندہ کیے ہیں۔"

کرباز کے پہلو سے نیچے ریت پر گر دیا اور پھر اُسے اٹھا کر گرتے پڑے، ساحل تک لے آئے۔ بہتیا نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "میں پتھر کو اُس جہز پر لے جانا چاہتی ہوں۔"

بڑی مشکل سے انہوں نے اُسے غوثی تک پہنچایا اور پھوٹے پھوٹے پتھروں کے سہارے مضبوطی سے ٹکا دیا۔ جہز کو کاٹھ نیچے کی طرف تھا۔

اُس رات لیفٹ نے کہا: "بہتیا! ہم یہاں بہت دن ٹھہریں گے۔ تم اور بہتیا کل صبح پونچھتی ہو، مغرب کی طرف روانہ ہو جاؤ، تیسرے دن واپس آجانا، تم دوڑ کر جتنا فیصلہ ہو سکے، طے کر دو اور واپس آکر ہمیں بتاؤ کہ یہ کس نامک ہے اور کیا یہاں آبادی ہو سکتی ہے۔"

۱۶۰

اگلی صبح بہتیا اور بہتیا نے خوب پیٹ بھر کر کھا لیا۔ بہتیا نے بیٹی میں ایک بھر لکھایا۔ بہتیا نے ٹوٹے میں بھجوا کر تیش گیر زوئی ڈالی اور اسے کمر سے باندھ لیا۔ پہلے وہ مغرب کی طرف گئے گھرے جنگل میں سے گذر کر ایک جھیل پر جا نکلے۔ یہاں سے شمال مغرب کی طرف چل پڑے۔ زمین بتدریج کھتر قلع ہو رہی تھی۔ ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر انہوں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ وہ ایک اس کے آخری نقطہ پر کھڑے تھے۔ اس سے آگے اصل بڑا غلج کا آغاز ہوتا تھا۔ بستی زرخیز اور درخت تھا۔ درختوں پر پھل تھا۔ سرسبز میدانوں میں ندیاں بہ رہی تھیں۔ جنگلی پرندوں اور جانوروں کی فراوانی تھی۔ پھلوں سے لے کر پھندے درخت کا گدھا تک جیسے ہوئے تھے۔ کئی پھل وہ پہچانتے تھے۔ لیکن ایک سہری مائل دانوں کا گچھا انہیں عجیب سا گلہ پزندے اُسے ٹھونکنے مار رہے تھے۔ ڈرتے ڈرتے پچھتا تو نہایت مزیدار معلوم ہوا۔

بہتیا نے کہا: "یہ ملک تو ہمارے ملک سے کہیں بہتر ہے۔ یہاں کھیتی باڑی بھی ہو سکتی ہے اور مویشی بھی پالے جاسکتے ہیں۔ بہتیا! کیا ہی اچھا ہے، اگر ہم دونوں یہیں رہ جائیں۔"

"میں بہتیا! لیفٹ نے تم پر بہت مہربانیاں کی ہیں، ہم اُسے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

انہوں نے پتھروں سے ایک ہنر شکاریا اور آگ پر کباب

بہتیا نے اپنے نام کے حروف پر انگلی پھرتے ہوئے لیفٹ کی طرف دیکھا اور کہا: "لارڈ! یہ نشان میرے نام کے ہیں؟"

لیفٹ کل لیفٹ بڑی شفقت سے مسکرایا اور اسے بولا:

"یہ بہتیا اور بہتیا ہیں۔ تم دونوں کے نام ایک ہی پتھر پر کندہ ہو گئے ہیں۔ اب جب تک یہ پتھر باقی ہے، تمہارے نام باقی رہیں گے۔"

بہتیا نے بڑی سادگی سے پوچھا: "لارڈ! اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کی شادی ہو گئی ہے؟" اس پر ملاخوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور بہتیا شرم سے منگو سمٹ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ٹانگر میں قہقہہ لگاتے ہوئے بڑے ذرخ دل تھے۔ لیفٹ نے انہیں چپ ہو جانے کا حکم دیا تب قہقروں کا سیلاب تھا۔

رات کو بہتیا نے اپنا بستر ہی پتھر کے پاس بچھایا۔ اس سے اگلے دن انہیں منگنی نظر آئی۔ جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوا۔ یہ موسم گرما کا نہایت خوش گوار دن تھا۔ گھاس شرم کے قطرے چمک رہے تھے۔ پچھلے پر معلوم ہو کر یہ قطرے شہد کی طرح میٹھے ہیں۔ یہ ایک جزیرہ تھا جو انہیں جنت کا محو معلوم ہوا۔ اس سے پچھلے آگے جا کر ایک کھاڑی آئی جو بیشکی میں دوڑ تک چلی گئی تھی اور اُس کے غاتے پر ایک خوبصورت جھیل بن گئی تھی۔ اُس کے کناروں پر نہایت دیو قامت درختوں کا جنگل تھا۔

"ہم اس سے آگے نہیں جائیں گے اور یہیں کیپ لگائیں گے۔" لیفٹ نے حکم دیا۔ جھیل کے کنارے سرسبز میدان میں انہوں نے کیپ لگایا۔ اس علاقہ میں عمارت کی گڑھی کے لیے مناسب درختوں کی نہایت تھی۔ ایک کردہ درخت کا شہر بنا دیا۔ بہتیا اور بہتیا کے ذمے یہ کام لگا کر وہ جہاز سے کھانے پینے اور استعمال کی دوسری چیزیں لے کر ایک ٹھوکرا لائیں۔ اچانک بہتیا نے اپنے سر پر لدا اور چھتہ جہاز پر پھینکنے ہوئے کہا: "بہتیا! ہمارا پتھر! دیکھو دیکھو! ملاح پتھر مندر میں پھینک رہے ہیں۔"

وہ دوڑ کر پتھر کے پاس پہنچی اور ملاح قہقہہ لگاتے لگے۔ بہتیا اس پتھر کو ہلانے لگا۔ میں کامیاب نہ ہوئی تو ملاخوں کو مزید قہقہہ لگانے کا سامان لگا لیا۔ آخر بہتیا وہاں پہنچ گئی۔ لیفٹ نے خاموش رہنے کا حکم کر دیا۔ آواز میں دیا تو خاموشی چھا گئی۔ بہتیا اور بہتیا نے پتھر کو لٹکا

منڈرنولس

مندرجہ ذیل کاموں کے لیے محکمہ ہذا کے منظور شدہ انٹھیکداروں سے جو متعلقہ میدان میں کافی تجربہ رکھتے ہوں، سال ۸۵ - ۱۹۸۴ء کے لیے اندراجی/تجدیدی فیس جمع کرانچے ہونے پر دیے گئے رئیس کے مطابق کسی شیفڈ ولڈ بینک کے ڈیپازٹ ایٹ کال کی شکل میں زیر بیعانہ کے ساتھ منڈرنولس مطلوب ہیں۔ منڈرنولس ۱۹۸۴ - ۷ - ۳ کو بیج گیارہ بجے زیر دستخطی کے دفتر میں وصول کیے جائیں گے اور بولی دہندگان یا ان کے مجاز نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔ منڈرنولس صحت ۸۴ - ۶ - ۲۸ کو دفتری اوقات کار میں ڈویژنل سنیڈلک کے ذریعے جاری کیے جائیں گے۔ دیگر شرائط و ضوابط اور تفصیلات اوقات کار میں زیر دستخطی کے دفتر میں دستیاب ہوں۔

نمبر شمار	اُٹم کی تصریح	مایت منڈرنولس	زیر بیعانہ	میت تکمیل
۱	اربن ایکسٹنشن وارڈسپلائی سکیم ظفر وال : ڈسٹری بیوشن سسٹم اور دیگر متعلقہ کام (اے) (گروپ - I) (بی) (گروپ - II)	۷۵,۰۰۰/- روپے	۲,۵۰۰/- روپے	۴ ماہ
		۱,۷۵,۰۰۰/- روپے	۳,۵۰۰/- روپے	۴ ماہ
۲	اربن وارڈسپلائی سکیم نارووال ، ڈسٹری کٹ سیالکوٹ ، سٹاف کوارٹرز کی تعمیر	۸,۰۰,۰۰۰/- روپے	۳,۹۰۰/- روپے	۶ ماہ

ایگزیکٹو انجینئر

پبلک سہیلہ انجینئرنگ ڈویژن
سیالکوٹ

آئی بی ایل : ۳۵۸۱

بھونے۔ اگلے دن وہ قمری رنگ کے ایک خوبصورت پرندے کے پیچھے بھاگتے رہے، لیکن اُسے پکڑ نہ سکے۔

تیسرے دن اُن کا جہاز پر واپس جانے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ تین دن پکٹ کی صورت میں گزر گئے تھے۔ اگلے دن ساحل کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے کچھ کمپ تک پہنچ گئے۔ لیفٹ اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنے ہمراہ بعضی پھل کا ایک پتھا اور ایک قدرتی غلے کا ٹوپا لانا بھلائے تھے۔

”لارڈ!“ ہنسی نے کہا: ”یہ ملک ناروے، سکاٹ لینڈ اور گرین لینڈ سے کہیں بہتر ہے۔ یہاں مویشیوں کے لیے اتنی وسیع چراگاہیں موجود ہیں کہ آپ کے قصور میں بھی نہیں آسکتیں اور یہاں ہر شخص کو آسانی سے خوراک مل سکتی ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ نریتہ اور کوئی ملک نہیں ہو سکتا۔“

تب ہنسی نے بعضی پھل کا کٹھا اور غلے کا ٹوپا لیفٹ کی خدمت میں پیش کیا۔ ٹاٹا کر نے کہا: ”لارڈ! میں اس پھل کو پسند کرتا ہوں۔ یہ میرے ملک جرمنی میں عام ہے۔ اسے اگور کہتے ہیں۔ ان سے شراب بھی بنی ہوئی جاتی ہے۔“

لیفٹ نے اگور کھاتے ہوئے کہا: ”نہایت لذیذ پھل ہے۔ میں نے اس کی شراب پی ہے۔ ہم آج سے اس ملک کو اگوروں کی سرزمین، کا نام دیتے ہیں۔“ پھر ہنسی اور سیکیا کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ”جب ہم واپس اپنے وطن پہنچیں گے تو میں تمہیں آگور کو دوں گا۔ تم اپنی زمین آباد کرو گے اور اُس پر اپنے نویشی پالو گے۔“

اس وعدے پر ہنسی اور سیکیا خوشی سے ہنسنے نہ سکتے تھے۔ انہوں نے ڈٹ کر کہا نا کھایا کچھ پھل رات سے وہ چوکے تھے اور چائیں پچاس میل کا فاصلہ دوڑ کر طے کیا تھا۔

”ہنسی! آؤ... ہم دیکھیں کہ ہمارا پتھر اپنی جگہ موجود ہے یا نہیں۔“ سیکیا نے کہا۔ شام کے چھپنے سے وہ ٹیکے کی چوٹی پر پہنچے۔ اُن کا پتھر اُسی جگہ مضبوطی سے قائم تھا۔ وہ اُس کے قریب گھاس پر بیٹھ گئے جو حد نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ سیکیا نے خوشی سے لرزتی آواز میں کہا: ”اب ہمارے نام اگور ہو چکے ہیں، ہنسی، اور جب تک یہ پتھر قائم ہے اگور رہیں گے۔ لیفٹ نے بھی یہی بات کہی تھی۔“

ہنسی گہنی کے بل اُس کی طرف جھکا اور اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا: ”میرا خیال ہے کہ یہ ملک اچھا ہے۔ گرین لینڈ سے بھی اچھا۔ میں لیفٹ سے کہوں گا کہ وہ ہمیں یہاں قیام کرنے کی اجازت دے دے اور جو جہاز واپس لے جائے۔ پہلے ہاں جو پتھر پیدا ہوں گے، اُن کے لیے یہ سرزمین بہت مبارک ثابت ہوگی۔“

کچھ عرصے خاموشی طاری رہی۔ پارلیمنٹ کے دوسری طرف ایکس نے یہ کامیابی بڑی توجہ سے سُنی۔ وہ اپنے جھٹے سے نکل کر اُس طرف آگئی۔ اُس نے قہقہہ لگا کر کہا: ”مشر! اس! جاکنے کی خوش کیجیے۔ آپ ابھی تک زندگی کی حالت میں معلوم ہوتے ہیں۔“ اُس کی آواز میں خفیف کی لرزش تھی تھی۔ اس نے فرخیز کر خیمے کی دیوار ٹھوکر دیکھی اور اُس کے چہرے سے میلو کی شدید کیفیت ظاہر ہونے لگی۔

پوچھتی تو پالٹ کر اگور پکڑ گئی لیکن روفر سے لاک ڈو جاکا رہا۔ وہ منطقی ذہن کا مالک تھا۔ اس نے ایک خواب دیکھا تھا۔ یہ ساری کامیابی ایک تھکے ہوئے ذہن کی تخلیق تھی جو خواب اور گولہوں کا عادی بن چکا تھا۔ تاہم اس کامیابی میں حقیقت کا کچھ شائبہ تھا۔ لیفٹ ایک حقیقی کردار تھا۔ وہ ایرک کا بیٹا تھا جس نے گرین لینڈ دریافت کیا تھا۔ لیفٹ نے امریکی براعظم کا ایک حصہ دریافت کیا تھا جسے اُس نے اگوروں کی سرزمین کا نام دیا تھا۔ اُس کا ذکر ناروے کی تین داستانوں میں آتا ہے۔ یقیناً اس نے یہ داستانیں پڑھی ہوں گی اور اُس کے لاشعور میں جانزین ہو گئی ہوں گی۔ ضعیف العقیدہ اسکیمونوں نے ان کے تاثر میں اضافہ کر دیا۔

اتنے میں ایکس ناشترے آئی۔ اس کو جاکا کو روک دیا اور ڈبل روٹی کھلائی گئی۔ باپ بیٹی نے اگن ناشترہ کی اس دوران اس پر پھر پینڈے غبار حاصل کر لیا تھا۔ لاک ڈو اور ایکس، سیر کو نکل گئے۔

لاک ڈو نے کہا: ”ایکس! تو نے اس کی پوری کامیابی نہ مانی؟“

”ہاں ڈیڈی! میں بارمیشن کے دوسری طرف بڑے غور سے سنتی رہی۔“

”اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

اس اثنا میں وہ سمندر کے ساحل پر کھڑے ہوئے ٹیلارے نمک بچ گئے تھے۔ ایکس جہاز کے فلوٹ پر بیٹھ گئی۔ اُس نے کہا: ”یہ اُس کا خواب ہے۔ عجیب و غریب خواب، مجھے وہ

ذہنی طور پر بیا رمسوس ہوتا ہے۔“

”یقیناً وہ میرا ہے اور یہ کہانی اُس کے بیاردن کی تخلیق ہے۔“ پروفیسر بولا۔

”لیکن پاپا! لیف ایرکن تو ایک حقیقی کردار تھا۔ میں نے اُس کا ذکر کرنے کی داستانوں میں پڑھا ہے۔“ ایکس نے کہا۔

”یہ بھی داستانیں اس نے بھی پڑھیں اور اُس کے لاشعور نے ایک نئی کہانی ایجاد کر لی۔“

”پاپا! لیکن اس کہانی میں وہ مکان کہاں سے آگیا جہاں لیف رہتا تھا۔“

”بیٹی! تمہیں اسکیموں کا وہ مکان یاد نہیں جہاں ہم نے ایک رات کاٹی تھی۔“ پروفیسر نے خواب دید اُس کے بعد اُس نے

وہ لڑکی جس کا نام ہیکیا ہے، اُس کے لاشعور نے کیسے تخلیق کر لی؟“ اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”یہ لڑکی مدتوں سے ہر کام

میں اُس کے ساتھ شریک ہے۔“

”پاپا! گویا آپ کا مطلب ہے، وہ میں ہوں۔“ ایکس نے شرماتے ہوئے کہا۔

”ایکس! خواب میں انسان کا لاشعور بہت سی بات ماننا چاہتا ہے۔“ پروفیسر نے کہا۔

”پاپا! اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟“

”فوفو کرانی کا کام تقریباً مکمل ہے۔ اب ہم واپس جائیں گے اور اگلے سال میں یہاں کھدائی کے لیے پھر آؤں گا۔“ پروفیسر نے

جواب دیا۔

پائلٹ اس اگلی صبح تک سوتا رہا۔ جب وہ بیلار ہوا تو پروفیسر نے اُس سے کہا: ”مسٹر اس! میں اس محکمہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔“

”کیوں آپ میری وجہ سے تو ایسا نہیں کر رہے؟“ سر اس میں آج اپنے آپ کو مکمل طور پر سخت مند پارہا ہوں۔“ پائلٹ نے کہا۔

”نہیں، مسٹر اس! یہ وجہ نہیں۔ دو اڈانوں میں بقیہ فوفو کرانی مکمل ہو سکتی ہے۔ کھدائی کے لیے اگلا سال مناسب رہے گا۔“ لاک ڈوڈ نے کہا۔

”ٹھیک ہے، سر! اگر آپ اجازت دیں تو واپسی کا سفر لیبر پڑا کر کے اُپر سے کیا جائے۔ میں نے احتیاطاً ٹینل باربر

میں پٹرول کا ذخیرہ پیلے ہی سے کر دیا ہے۔“ اس نے کہا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔ ٹینل باربر سے ہمارا اگلا اسٹاپ ہیل فیکس میں ہو گا اور پھر وہاں سے نیویارک۔“ ایکس نے

اس سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔

”یقیناً۔ یہی رُوت اچھا رہے گا۔“ پروفیسر نے فیصلہ کر دیا۔

بستر سے اٹھتے ہی اس اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اُس نے ہوائی جہاز کا ایک ایک پرزہ کھول کر صاف کیا اور

ایکس سے کوئی مدد نہ لی۔ وہ ایکس کی طرف دیکھتا تو خواب کی ہیکیا اُس کے سامنے اُکھڑی ہوتی۔ آخری دو اڈانوں میں وہ

ایکس سے زیادہ بے تکلف بھی نہ ہوا۔ ایکس بھی اُس سے خاصی بے اعتنائی کرتی رہی۔ دونوں کے درمیان اجنبیت

کا پردہ ساحل ہو گیا تھا۔

جہاز میں پٹرول بھرنے کے لیے اُس نے اسکیمو آئیگیو سے مدد لی جس نے کہا تھا:

”مسٹر اس! گرین لینڈ تمہارے لیے اچھا ثابت نہیں ہوا۔“

”ٹھیک ہے... آئیگیو! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ براڈ لائڈ میں کونسا اسرار ہے؟“ اس نے پوچھا۔ اسکیمو اُس کا سوال

پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ اُس نے کہا: ”براڈ لائڈ اچھی جگہ نہیں۔“ پروفیسر لاک ڈوڈ نے اپنا فاتو سامان بانٹ دیا۔

آئیگیو کے حصے میں کھانے پینے کا دافر ذخیرہ آیا۔ اس پر وہ بہت خوش ہو گا۔

اگلی صبح وہ جہاز میں اب اس سے مجبور واز ہوئے۔ گورنر، ڈاکٹر اور پادری نے انہیں الوداع کہا۔ پھر جہاز میں اب دھند

کے پردے میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پانچ گھنٹے وہ چپ چاپ جہاز میں بیٹھے رہے۔ دن کے دو بجے نور انہیں منظر

آئی۔ ٹکڑی کے بنے ہوئے چند مکانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پائلٹ نے کہا: ”یہ ہے ٹینل باربر۔“ اُس نے بستی کے

اُپر ایک چکر لگایا اور جہاز کو سمندر میں سرخ نشان کے قریب اتار دیا۔ اُسی دن اس نے جہاز میں پٹرول بھریا تاکہ اگلے دن

صبح سویرے وہاں سے روانہ ہو سکیں۔ وہ رات انہوں نے ہمسے کے لیے کئی کئی کمرے میں بستر بچھا کر بسکری۔ اگلی صبح دس بجے

تک دھند چھائی رہی۔ دھند چھٹی تو ہوائی جہاز فضا میں بلند ہو کر ایسی فاکس کی طرف روانہ ہوا اور ایک جنگل سے پٹے ٹوٹے

ساحل کے اُپر اڑنے لگا۔ جنگل کا منظر ایکس کو بہت اچھا لگا۔ سائے پانچ بجے وہ ٹکڑی فاکس جا پہنچے۔ اس شہر کی

بندرگاہ بڑی وسیع تھی اور جہاز کو یہاں اترنے میں کوئی وقت پیش نہ آئی۔ عرصے بعد ایک جدید طرز کے صاف ستھرے ہوٹل

میں رات بسر کرنے کا موقع ملا۔

اگلی منزل نیویارک تھی۔

آخری اڈان کے لیے انہیں چھ گھنٹے درکار تھے۔ رات کو فیصلہ ہوا کہ صبح آٹھ بجے سیلی فاکس سے پرواز کر جائیں گے۔

اُس صبح مطلق نہایت صاف تھا۔ انہیں بروقت پرواز کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ پیلے وہ فوڈ اسکوٹیا کے جزیرے

کے اُپر اڑتے رہے۔ اس کے بعد نیلے سمندر کی پہنائی کا آغاز ہوا۔ اس صبح رہا تھا کہ بہت جلد ایکس کے ساتھ اس کی رفاقت کا راز ختم ہو رہا ہے۔ یہ رفاقت انہیں بہت قریب لے آئی تھی۔ وہ نیویارک پہنچ کر ایک دوسرے سے اچانک

بلوچستان پر اپنی نوعیت کی پہلی ہر پہلو کتاب

اچھا اپنے دیس دیس

سید شوکت علی شاہ کا دیدہ ورسفر نامہ

* ایک ایسا سفر نامہ جس میں بلوچستان کے تہذیبی، تاریخی اور سیاسی آثار چڑھاؤ کی حقیقی جاگتی تصویریں ہیں۔

* ایک ایسا سفر نامہ جو مستقبل کے امکانات اپنی گرفت میں لاتا ہے۔

* ایک ایسا سفر نامہ جو بلوچستان کے اندر بیٹھ کر اور بلوچستان کو اپنے دل میں سمو کر لکھا گیا ہے۔

* ایک ایسا سفر نامہ جس میں وادیوں اور پہاڑوں میں بسی ہوئی غیرت اور محبت کی دھڑکیں ایک ادبی شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

مکتبہ اُردو ڈائجسٹ سمن آباد لاہور ۲۵

جدا ہو جائیں گے۔ اس خیال سے نجات حاصل کرنے کے لیے پائلٹ نے اپنی تمام تر توجہ پرواز پر مبدل کر دی۔

سمندر ختم ہونے والا تھا۔ خشکی نظر آرہی تھی پائلٹ نے جہاز کا رخ زمین کی طرف کر دیا۔ ابجن کا شور ایک سرکوشی میں بدل گیا تو ہر دھڑکنے والے دھڑکنے پر اس نے دیکھا کہ جہاز بہت نیچے آکر ایک ریتے ساحل کے اوپر اڑ رہا ہے۔ ساحل کے ساتھ بس خشکی کا آغاز ہوتا تھا، وہاں جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب جہاز پھر سمندر کی سطح کے اوپر پرواز کرنے لگا تھا، خطرناک حد تک پانی سے قریب۔ سمندر میں بڑی بڑی موجیں اٹھ رہی تھیں اس خوفناک سمندر سے وہ صرف بیس فٹ بلند تھے۔ کئی میل تک جہاز ساحل اور سمندر کے اس درمیانی حصے پر اڑتا رہا تو پائلٹ نے پائلٹ کے شانے کو چھوتے ہوئے کہا: "یہ کتنا شاعرانہ ساحل ہے!"

اس نے ایلکس کی طرف نظر کوڑکیا اور کہا: "میں اس جگہ کو جانتا ہوں۔ ہم اسے وینڈر لینڈ کہتے تھے۔"

اس جواب نے ایلکس کو کھلادیا۔ پائلٹ کے سفید اور تھے ہونے چہرے پر خواب کی سی کیفیت دیکھ کر وہ اور بھی خوفزدہ ہو گئی۔

اس نے کہا: "ڈائلڈ! تم نے جو قطعہ زمین اپنے خواب میں دیکھا تھا، اس کا نام وینڈر لینڈ تھا۔ ایک اب ہم حقیقت کی دنیا میں ہو۔ ہم اس وقت کیپ آف کاؤڈے اوپر سے گزر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ علاقہ بہت خوبصورت ہے۔"

"مجھے معلوم ہے ایلکس! لیکن یہی وہ جگہ ہے جہاں ہم خواب کی حالت میں پہنچتے تھے۔ کیا تمہیں کچھ یاد نہیں آ رہا؟"

"نہیں، ڈائلڈ! میں خواب میں تمہارے ساتھ نہیں تھی۔ وہ تو یہ تھا تھی۔ میں تو صرف حال کو جانتی ہوں کہ ہم ایک ہوائی جہاز میں اڑ رہے ہیں۔ اور خطرناک حد تک پانی سے قریب اڑ رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں کہ ہم فرابندی پر پرواز کریں؟ ایلکس نے کہا: "میں تصدیق کرنا چاہتا تھا کیا یہ وہی علاقہ ہے جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔" پائلٹ نے کہا اور جہاز کو

چار سو فٹ کی بلندی پر لے گیا۔

دس منٹ کی پرواز کے بعد پائلٹ راس نے کہا: "ایک ریتلا چیز ہر جہاں گھاس پر پڑی اور اس شہد کی طرح بیٹھی تھی۔ اب مجھے وہ نظر نہیں آ رہا۔"

ایلکس نے بڑے نرم لہجے میں کہا: "ڈائلڈ! کیا ضروری ہے کہ خواب کی ہر تفصیل حقیقت میں بھی موجود ہو؟"

"نہیں، لیکن یہی ہوا ایلکس!" پائلٹ نے جواب دیا۔ "کیا ستر نہیں کہ ہم اس جھیل میں اتر جائیں اور اس کے کنارے بیٹھ کر پلچ کریں؟" ایلکس نے تجویز پیش کی۔

"ایلکس!" پائلٹ نے مسکرا کر کہا: "میں تمہیں یقین دلانا نہیں کر سکتا اپنے ہوش و حواس میں ہوں۔ میں خواب کا یہ علاقہ تو بے کا پورا دیکھ لوں تو جہاں کو گی، ہم اتر جائیں گے۔"

جہاز بھی سمندر پر اور کبھی ساحل پر اڑتا رہا۔ اچانک بیت کے دو لمبے ٹیلوں کے درمیان ایک کھڑی نظر آئی جہاز اس کے اوپر اڑنے لگی۔ یہاں سمندر کا پانی خشکی کے اندر دوڑ تک چلا گیا تھا۔ یہ پانی نہایت پر سکون تھا۔ اس کے ساحل پر درختوں کی بہتات تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے پکنک کے لیے ایک پارک مرتب کر دیا ہو۔ اچانک دیکھاڑی ایک پرسکون جھیل میں بدل گئی۔ کناروں پر گھٹنا جھلی تھیں پائلٹ جہاز کو زمین سو فٹ کی بلندی پر اترتا رہا اور اس جھیل کے اوپر چکر لگانے لگا۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں ہم آئے تھے۔" اس نے خود کو کافی کے انداز میں کہا: "ہم نے وہاں اپنا کیپ لگایا تھا، اس چھوٹے سے ٹیلے کے دامن میں!"

پروفیسر اور ایلکس نے جھیل کی طرف دیکھا۔ صبح کی نرم نرم روشنی میں اس کا خاموش پانی بڑا ہی دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ کنارے پر دروازے کا مکان تھے جن میں پکنک سنانے والے لوگ رات بسر کرتے تھے۔ اب اس وقت کوئی فرد بشر وہاں موجود نہیں تھا۔

ایلکس نے پوچھا: "ڈائلڈ! کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو

یہ وہی جگہ ہے؟"

اس نے جواب دیا: "جب ہم یہاں آئے تھے، اس وقت سے لے کر اب تک اس کا ایک نقش بھی تو نہیں بدلا، سوائے ان گھروں کے.... بس ایلکس! اب ذرا سنبھل کر بیٹھو، میں جہاز اُتار رہا ہوں۔"

پائلٹ نے ابجن بند کر کے جہاز کا رخ زمین کی طرف بٹھکا دیا۔ گھروں کے اوپر سے گزرتے ہوئے جھیل کی سطح پر جہاز اُتار دیا۔ جہاز نیکی کرتا ہوا ساحل تک پہنچا اور پھر اٹھنے پانی میں اس کے فلوٹ آہستہ آہستہ ریت پر چمک گئے۔ اس نے اپنی بیٹھ سے اٹھتے ہوئے کہا: "سر! یہی وہ جگہ ہے جہاں میں خواب کے سفر میں پہنچا تھا۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میں یہاں رکنے پر مجبور ہو گیا۔" اس نے فلوٹ پر قدم رکھ کر پھر اٹھنے پانی میں اتر گیا۔ پروفیسر اور ایلکس اُسے ساحل کی طرف جاتا دیکھتے رہے۔ وہ ساحل کی ریت پر کھڑا ہو کر اپنے ارد گرد کے علاقے کا جائزہ لیتے لگا تو ایلکس نے کہا: "پاپا! اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ کیا یہ اپنے ہوش و حواس میں ہے؟"

اس کے باپ نے کہا: "میرا خیال ہے وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ زندگی بڑی پر اسرار ہے۔ وہ یقیناً کسی عجیب و غریب روحانی تجربے سے گزرا ہے اور اس کے ذہن پر تناؤ کی سی کیفیت طاری ہے۔ ہمیں زندگی کے اسرار کا علم عطائیں ہونا یا ہونا ہے تو بہت کم، چنانچہ میں اس کے تجربے کو جھٹلا نہیں سکتا، لیکن اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"مجھے اب سر اس سے کبھی خوف محسوس نہیں ہوگا ڈائلڈ!" ایلکس نے کہا۔

"یقیناً! تمہیں اب کبھی خوف محسوس نہیں ہوگا۔" پروفیسر نے بڑے تیش سے کہا۔

ایلکس بیٹھ پر سے اٹھتے ہوئے بولی: "میرا خیال ہے اُسے ایسا چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔"

"ہاں، اس کے پاس تمہارا جانا اچھا ہی رہے گا یوں بھی میری نسبت تمہیں اس سے زیادہ قریب حاصل ہے۔" اس کے باپ نے کہا۔

وہ اپنی بیٹھ سے اٹھی اور فلوٹ پر پاؤں بٹھاکر نیچے پانی میں کود گئی۔ ساحل کی گیلی ریت پر کھڑے راس کے پاس پہنچ کر اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا: "ڈائلڈ! کیا یہی وہ جگہ ہے جو تم نے خواب میں دیکھی تھی؟"

"یقیناً! یہ وہی جگہ ہے۔ ہم یہیں کیپ لگایا تھا اور اس نے کہا۔"

اتنے میں پروفیسر بھی اُن کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے پروفیسر کی طرف مڑتے ہوئے کہا: "سر! اگرچہ میں پاگل نہیں، لیکن آپ کو یقیناً میری ذہنی صحت پر شبہ ہے۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ نیویارک تک کے سفر میں آپ کو کسی خوف میں مبتلا رکھوں۔ یہاں سے ایک میل دور آپ کو فوٹ مل جائے گا۔ آپ بوسٹن ایئر پورٹ پر پیغام دیجیے وہ یہاں سے نیویارک تک آپ کو پہنچانے کے لیے کوئی پائلٹ بھیج دیں گے۔"

پروفیسر لاک ڈولنے پوچھا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی فوری سے استعفیٰ دے رہے ہو۔"

"میرا یہی مطلب ہے، سر!"

"نہیں سر! اس! تم ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ نیویارک میں ہم یہ جہاز نہیں ڈالیں گے اور وہاں سے سمندر کے راستے انگلیڈین پہنچیں گے اور تم بھی ہمارے ساتھ ہو گے۔ پروفیسر نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"مجھے یہ تجویز بھی منظور ہے۔" پائلٹ نے کہا۔

اُس کی آواز میں ایک تڑپا لہری کی لرزش تھی۔ لڑکی نے اُسے محسوس کیا اور اس کے دل میں ایک عجیب سے درد نے

کھٹ ل۔

وہ گیلی ریت پر چلتے ہوئے، ساحل کی طرف بڑھنے لگا۔

ایلکس اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ پروفیسر لاک ڈولنے سے پیچھے کچھ لمبے رکارا کر اُن کی تنہائی میں غلغلہ نہ ہو۔ پائلٹ جھل

کے کنارے کھڑا ہو گیا اور اگر دیکھا جائزہ لے کر اس نے کہا: یہ وہی جگہ ہے، صرف درخت اتنے قد آور نہیں رہے۔ وہ یہ ہے کہ جنگل ایک بار کٹ چکا ہے اور ابھی درخت اپنے پورے قد کو نہیں پہنچے۔

ایلیکس نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا: ڈائلڈ! یہ جگہ تمہارے لیے بڑے گہرے مسنون کی حامل ہے نا؟

”ہاں! میں نے کبھی یہاں بڑی خوشیوں بھری زندگی بسر کی تھی۔“ اس نے ٹیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ وہی ٹیلہ ہے۔ کیا تم میرے ساتھ آؤ گی؟

وہ ٹیلی کی چوٹی پر پہنچنے تو لڑکی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا: نہایت خوبصورت منظر ہے۔ یہ منظر مجھے کچھ مایوس سا لگتا ہے۔

”تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ ایلیکس! راس نے پوچھا اور پھر اس کا جواب سننے بغیر ایک پتھر کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ یہ پتھر اقصائیت میں دھنسا ہوا تھا اور اس پر کافی جہد تھی۔ اس نے پھر پوچھا: ”تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ ایلیکس!“

”مجھے معلوم نہیں۔“ ایلیکس بولی: شاید اس لیے کہ بعض جگہیں خوشگوار ماحول کا تاثر رکھتی ہیں۔

”میں سمجھ گیا۔“ راس نے کہا اور پھر اس نے پتھر کی طرف اشارہ کیا: ”تمہیں یہ پتھر یاد ہے؟“

اس نے گھاس پر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے جواب دیا: ”میں ڈائلڈ! مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔“

ڈائلڈ راس نے پتھر پر ہاتھ رکھ دیا اور بڑے یقین سے کہا: ”یہ ہمارا پتھر ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے یہ وہی پتھر ہے جو تم نے خواب میں دیکھا تھا؟“

اس نے سر ہلا کر کہا: ”ہاں! وہ پتھر یہی ہے۔“

پرو فیسر لاک ڈو بھی ٹیلی کی چوٹی پر ان کے پاس آکھڑا ہوا۔

پائلٹ نے کہا: ”سر! جس پتھر کو میں نے خواب میں

دیکھا تھا، وہ یہی ہے۔“

پرو فیسر نے ناک پر ہینک جھماکی اور زمین پر بیٹھ کر کوہاتھ سے چھوا۔ جا تو نکال کر ایک کونے سے ریت اور لٹا کر کہہ مٹائی۔ ”یہ پتھر سب غار کی ایک قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں جو پتھر ہیں، وہ ریت کے اور پتھر بھرے ہیں۔ یہ پتھر کسی ایک ملک سے یہاں پہنچا ہے۔“ پرو فیسر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ پتھر ہم گرین لینڈ سے لائے تھے کہ جہاز کا توازن قائم رہے۔“ پائلٹ نے کہا: ”آئیے! ہم اسے زمین سے باہر نکال کر دیکھیں۔“ پائلٹ نے زور لگا کر پتھر زمین سے باہر نکالا۔ اس کا جو حصہ زمین میں دفن تھا، وہ باہر کے حصے سے نیا دھنسا ہوا تھا اور اس پر کھدے ہوئے نقوش نظر آ رہے تھے۔ ڈائلڈ اور ایلیکس نے کافی اور ریت کھچی تو نقوش اور بھی واضح ہو گئے۔ پرو فیسر نے اختیار بول اٹھا: ”یہ کسی غیر زبان کے کھدے ہوئے حروف معلوم ہوتے ہیں۔“ اس نے کہہ دیا کہ یہ خود کرنے کے بعد کہا: ”یہ نادوس کے قدیم زبان کے الفاظ ہیں۔“ اس نے زمین پر اٹھنگی سے ان الفاظ کو لکھ کر دکھایا:

* M Y I X * X Y I *

”ایلیکس! اور ٹیلیجیا۔“ راس نے سرگوشی کی۔ ”اور یہ نقوش اس عرصہ محفوظ رہے!“

پرو فیسر لاک ڈو کھنگی ہانڈھے پتھر پر یہ نقوش دیکھ رہا تھا جیسے اس پر کسی نے جا ڈک دیا ہو۔

”راس! تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ واقعی ناس میں یہ ایک پسینہ تھے۔“

وہ اٹھا اور نیلے سے نیچے اتر گیا کہ ہوائی جہاز سے کیم لاکر اس پتھر کا فوٹو لے سکے۔

پائلٹ نے اٹھ کر دوڑ پٹاریوں کی طرف دیکھا جہاں شمال امریکہ کا براعظم شروع ہو رہا تھا۔ لڑکی ابھی تک گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی۔ اس نے پتھر پر کندہ حروف پر اپنی انگلی پھیری اور وجہ بھرے لہجے میں کہا: ”میں یہ نقوش جانتی ہوں۔“

میں نے آج سے پہلے بھی انہیں چھو کر دیکھا تھا۔ ڈائلڈ! کیا میں سیتجا سے بڑی گہری محبت تھی؟ اس نے سر ہلا کر اس کا قرار کیا تو لڑکی نے پوچھا: ”مجھے اس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤ۔“ اس نے کہا: ”وہ ہو تو تمہاری طرح تھی۔“ اس نے ایلیکس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: ”ہم ان لوگوں میں ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتے تھے۔ ہم پھر اس محبت کو وجود میں لا سکتے ہیں۔ لیفٹ نے کہا تھا کہ جب تک پتھر موجود ہے، تم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔“ لڑکی کی آنکھوں کے سامنے ایک ریشمی دھند چھائی اور اس نے ساحل سے کچھ دور ایک جہاز کو ٹنگرا نماز ہوتے دیکھا۔ ٹیلے کے نیچے جیسے لگے ہوئے تھے۔ کچھ دور زرد بالوں والے دیو قامت تلاح درخت کاٹ رہے تھے اور ایک لڑکا اور لڑکی جو ابھی بھی اس جنگل میں تین دن بسر کر کے آئے تھے نان لوگوں کے سرواڑہ بلند قامت تلاح لیفٹ ایرک سن کے سامنے کھڑے تھے اور اسے اجنبی لہجہ میں پائلٹ کا ایک گچھا اور جنگلی امان

کا ایک پولا پیش کر رہے تھے۔ دیو قامت تلاح نے کہا: ”جاؤ آج سے میں نے تمہیں آزاد کیا۔“

اور اس پر ایلیکس کی نگاہوں کے سامنے سے دھند چھٹ گئی اور اسے یوں لگا جیسے وہ دونوں ماضی کے قیدی تھے، اور اس لمحے جس میں صدیاں بیت گئی تھیں، ماضی نے یکایک انہیں آزاد کر دیا تھا۔

اس نے کہا: ”ڈائلڈ! ہم ماضی کے قیدی تھے۔ اس لیے کہ ہم دونوں اسکاٹ تھے اور ہم نے جو کارنامہ سر انجام دیا تھا، اسے لوگ بھول گئے تھے۔“

”ہاں، ایلیکس! اب ہماری وساطت سے کونیا ایلیکس اور ٹیلیجیا کے کارنامے سے آگاہ ہو جائے گی۔“ پائلٹ ڈائلڈ راس نے کہا۔

ایلیکس نے دیکھا کہ پائلٹ کے چہرے سے ہنر رسالہ سفر کی تھکن اچانک دور ہو گئی ہے اور وہ شبنم میں دھل چکوں کی طرح تروتازہ ہے۔

پکستان ریلویز

منڈا نولس

ایئر کنڈریشننگ کو چھڑاؤ ڈاننگ کاروں کی وقتاً فوقتاً فوگیشن (دھون دینے) اور DISINFESTATION کے لیے معروف فرموں سے ٹینڈر مطلوب ہیں۔ کوئٹہ ایئر کنڈیشننگ اور عام ڈاننگ کاروں اور ایئر کنڈریشننگ کو چھڑاؤ جو وہ بڑے اور چار کوپ کپارٹمنٹس، کمپوزٹ کی حامل میں مع ایک چار برتجد اور ایک کوپ کپارٹمنٹ کی حامل ہیں، کی ٹیننگ کے لیے دی جائیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)